نوجوانوں کے نام

مَیں نے چند اصولی اِحکام کا ترجمہ عرض کیا ہے۔ میں نے ہر حکم کا حوالہ دیدیا ہے۔ ضرورت یہ ہے۔ کہ کتاب کے پڑھنے والے اس کا مطالعہ بہ توجہ کریں۔

آپؐ کا ارشاد ہے۔ کہ جس کسی کو آپؐ کا ایک حکم بھی یاد ہو۔ وہ اس کی اِشاعت کرے۔ جماعت بنائے۔ جماعت کا حکم مانے۔ تبلیغ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ میری التماس یہ ہے۔ کہ خوانندگانِ کرام اپنے اپنے حلقۂ اثر میں جماعت بنا کر احکام اسلام کی اِشاعت کریں۔ معاشرہ کو گناہوں سے پاک کریں۔

بے شمار مسلمان عیاشی کا شکار ہو کر تباہ ہو رہے ہیں۔ فحش کاری کے جتنے اڈّے تقسیم سے پہلے تھے۔ اُن سے بہت زیادہ قائم ہو چکے ہیں۔ فسق کی گرم بازاری ہے۔ نشیلی چیزوں کا اِستعمال جوانوں کی زندگیاں پامال کر رہا ہے۔ فقیروں کے نام پر بھنگ۔ چرس۔ گانجہ وغیرہ کے ذریعے اِسلام کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اِن باعثِ ننگِ اِنسانیت حرکات کو فقیروں کا شعار تصوّر کیا جا رہا ہے۔ ہماری بزموں میں لندن۔ نیویارک۔ پیرس ماسکو۔ اور ٹوکیو کا نقشہ دکھائی دے رہا ہے۔ ہماری کلبوں۔ محفلوں میں یثربی تہذیب کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ حرص و آز نے ہمیں اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ دین سے بے رخی عام ہے۔

ناپاک مجلسوں میں غضب کی رونق ہے۔ مگر

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے

بچّے اُن بُرائیوں میں مُبتلا ہیں۔ کہ جو دَورِ گذشتہ کے بوڑھوں کو نہیں سُوجھی تھیں جو جوش ڈسٹرکٹ بورڈوں، کمیٹیوں، اسمبلیوں کے انتخابات کے سلسلہ میں موجزن ہوتا ہے۔ کاش اُس کا عشر عشیر بھی اِنسانیت کی بے لوث خدمت کے لئے دکھائی دے۔

کیا ہی اچھا ہو۔ کہ جا بجا نماز کمیٹیاں۔ اِصلاحی کمیٹیاں قائم ہوں۔ اور پاکستان عیّاشی، فحاشی، بدمعاشی، غدّاری، خفیہ فروشی، مسکرات نوشی، وغیرہ گھناؤنے جُرموں اور گُناہوں سے پاک ہو جائے۔ اِنسانیت کی خدمت کا یہی جذبہ تھا۔ کہ جس کے سرشار ہو کر ہمارے بزرگ جہاں گئے۔ اُن کا دین پھیل گیا۔ لوگوں نے ان کی تہذیب کا خیر مقدم کیا۔ اُنہوں نے پرلے درجے کے بدکاروں کو نکوکار اور کُفّار کو مسلماں بنالیا۔ اِنسانیت ان کی ذات پر فخر کرتی ہے۔ وہ جانتے تھے۔

عبادت بہ از خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

ان پر عیاں تھا۔ کہ " آدمیت اِحترامِ آدمی " وہ علوم کے فدائی۔ فنون کے شیدائی تھے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق فرمائے۔ اور ہمیں واقعی اور حقیقی معنوں میں اِنسان بنائے۔

مُسلم

عرضِ ناشر

محترم و مکرم جناب مُسلم صاحب

میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ علمائے دین کا دائرۂ فکر اس قدر کیوں محدود ہے؟ اور سنسکرت کے ماہر پنڈت ویدوں کی طرح اُنہوں نے بھی دین اسلام کو ایک ڈراؤنی اور سخت مُشکل ترین صُورت دے رکھی ہے۔

عام تعلیم یافتہ اِنسان کو قرآنِ حکیم کے سمجھنے میں مدد نہیں دیتے اور قرآنِ حکیم کے فلسفے کو بڑا دقیق، مُشکل اور بحرِ بے کراں بنا رکھا ہے۔ اگر کوئی مشتاقِ علم حق پرست اِسلامی مطالعہ کرنے کی جرأت کرتا ہے تو بعض اجارہ دار اور نام نہاد مُلّاؤں کے رگڑے سے نہیں بچ سکتا۔ اگر کوئی طالب علم قرآن کا حوالہ دینا چاہے تو فوراً اُسے چیلنج کیا جاتا ہے کہ تم نے دیوبند پڑھا، بریلوی علماء کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا، یا فلاں اہلسنت والجماعت کے علماء سے بھی درس حاصل کیا۔ یا فلاں اہلحدیث سے تلمذ حاصل کیا؟ اگر اس کا جواب نفی کی صُورت میں ہو تو بس حوالہ دینے والا سخت مطعُون اور مظلوم پایا جاتا ہے۔

مگر جب قرآن حکیم کے کسی پارے کو لو تو اُس میں کسی نہ کسی اُمت یا قوم کا ماضی و حال ملے گا اور جس کے عِلم کو جان کر آئندہ نسلوں کو اپنی راہ فلاح ڈھونڈنے کا ارشاد ہو گا۔ ہر آیت کا نزول کسی نہ کسی واقعہ کے ظہُور کو پیش کرتا ہے۔

جب بھی دیکھو قرآنِ حکیم میں کوئی نہ کوئی مثال یا حکم ہی نظر آتا ہے مختلف مسائل مثلاً عبادت - تجارت - رزقِ حلال - حقوق العباد - جہاد - عدل و انصاف - تعلیم - اِطاعتِ والدین - فرائض دین - ارکان اسلام و ایمان پر کئی جگہ بار بار ذِکر آیا ہے کسی ایک بات کو ایک ہی مقام پر یہی مقام پر مکمل اور پُورا واضح نہیں کیا گیا اِس آسان نکتہ نے کئی کم سمجھ اور زود فہم حضرات کو اِن معاملات کی تحقیق و تجسس نے پریشان کر رکھا ہے۔

قرآنِ حکیم کو نازل ہُوئے ایک عرصہ گذرا ہے - علمائے دین کا یہ فرض تھا کہ اس کو سہل ترین انداز میں سمجھا جانے والا بنا کر عوام عالم میں پیش کیا ہوتا تو اقوامِ عالم یقیناً اِسلام کے سوا دُنیا میں کسی مذہب کو قائل نہ پاتی اور تمام دُنیا میں اِسلام کے سوا کوئی دُوسرا دین نظر نہ آتا۔

آج میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ کو خداوند تعالےٰ نے یہ فیض اور نعمتِ علمِ قرآن ودیعت کیا ہے اور اُس کے ساتھ ہی آپ کے علمائے وقت میں یہ بساط حاصل ہے کہ وہ سب حل کر یا خُدا آپ کو ہی توفیق دے تو سادہ زبان میں قرآنِ حکیم کو مختلف مسائل میں تقسیم کر کے ہمیں سمجھا دیں اور اور جس مسئلہ پر بھی بار بار قرآنِ حکیم میں مخاطب کیا گیا ہے - اُس کو ایک کتابچہ کی صُورت میں جمع کر کے عطا فرمائیں تو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

جس سے کم از کم مغربی فلسفہ کے مشتاقانِ علم کو بالکل یہ سمجھ رہے ہیں کہ انگریزی لٹریچر اور مغربی فلسفے کے نئے نئے نظریات مثلاً امپریلزم - سوشلزم کمیونزم - ڈکٹیٹر شپ اور دیگر پارلیمانی اِزم اور جمہوریت پرستانہ انداز حکومت

کا مقابلہ ہماری یا اسلامی فلسفہ نہیں کر سکتا۔

کئی ایک نئی طرز کے ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام اور نزولِ قرآنِ حکیم سوسائٹی کے تقاضائے وقت کی ضرورت تھی جو تاریخی تقاضائے وقت کو پورا کر چکی ہے۔ اب نیا دور ہے۔ اس کو یہ مذہب درکار نہیں۔ جس طرح بچے کے کپڑے جوانی میں کام نہیں آتے اسی طرح انسانی معاشرہ کو تمام مذاہب پہلے درکار تھے۔ جبکہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کی راہ ہر ملک کی سمجھ سے باہر تھی۔ کیونکہ انسانی معاشرہ اس وقت بچہ تھا۔ اب اسے نئے دور کی سمجھ آ چکی ہے۔ اور وہ معاشرہ جوان ہو چکا ہے اُس میں یہ پرانے بچپن کے کپڑے یا پرانے اور قدیم مذاہب کام نہیں آ سکتے۔

سائنس کا زمانہ ہے دنیا بے پناہ ترقی کر چکی ہے اُسے اب جمہوری دور سے واسطہ ہے۔ عالم میں کمیونزم یا امن عالم اور اینگلو امریکن کا نعرہ پسند ہے قرآنِ حکیم یا اسلامی زندگی کی منزل گزر چکی ہے۔

میرا مدعا آپ سے صرف دو یا تین باتوں کی طرف خاص توجہ دلانا ہے ایک تو یہ کہ دنیائے عالم میں ہر مذہب یا حکومت کا ایک نظریہ ہوتا ہے جس میں ہم قرآنی نظریہ کو واضح بیان کرنے والی آیات کو الگ کر کے بیان کر دیں۔ جن سے موجودہ سوشلزم۔ کمیونزم اور اینگلو امریکن حلقۂ امنِ عالم کا مقابلہ ہو سکے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالےٰ کے ظہورِ وجود یا ذاتِ باری تعالےٰ پر بحث کر کے قرآنی آیات سے واضح کر دیں کہ اے لوگو خداوند تعالیٰ کی ذات کو دینِ اسلام

کے سوا دُنیا میں کوئی دوسرا اسلوبِ زندگی پسند نہیں اور نہ ہی وہ امنِ عالم کے لئے مفید و کامیاب رہ سکتی ہے۔

تیسرا یہ کہ قرآنِ حکیم کوئی مشکل اور لاینحل معمہ نہیں۔ اسے ہر انسان تھوڑی دقّتِ فکر سے سمجھ سکتا ہے۔ اُسے ہم مختلف عنوانات میں تقسیم کر کے بیان کر دیں تاکہ ہر مسئلہ پر سمجھنے والے کے لئے ہم کم از کم یہ آسانی ضرور پیدا کر دیں کہ قرآنِ حکیم نے دُنیا کے تمام مسائل حیات و ممات اور ارتقائے کون و مکان پر مکمل ہدایات اور نہ بدلنے والی ضروریات اسلوبِ زندگی کو الہامی صُورت میں حضُورِ سرورِ کائنات کی ذاتِ مبارک کے ذریعہ ہمیں عطا فرمایا ہے۔

جن کے ذاتی وجُودِ مُبارک سے بشارتِ بشری نے زندہ مثال پیش کردی ہے۔ آپؐ کے احوالِ زندگی و طریقِ زندگی کی مثال ایک دُرِّ یتیم بنا کر شاہِ دین و دُنیا کے وجُود سے سمجھا دی ہے۔ جس اسوۂ حسنہ سے ہمیں تادمِ حیات سبق لینا چاہیئے۔

ہمارا وطن غلامی زدہ ذہنیت کا تھا۔ ہمارا موڑِ زندگی جسے برطانوی سامراج نے کافی قرآن سے دُور کر رکھا تھا اور ہماری موجودہ تعلیم سکول و کالج نے قرآن پاک کی گہرائیوں اور ضروری امُور سے ہمیں کافی دُور پھینک رکھا ہے ان سب خرابیوں۔ کمزوریوں کی ذمہ داری صرف اُن علمائے دین پر وارد ہوتی ہے۔ جنہیں اللہ تعالےٰ کے حضُور سے علم و دین کا مکمل خزانہ ملا ہے۔ مگر اُنہوں نے بخل سے کام لیا۔ اُن کی مثال اُس دولت مند کی ہے جس پر قرآن و اسلام نے ہزار بار گوشمالی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دُنیا میں زکوٰۃ

لازمی اور سُود حرام ہے ۔ مگر وہ سرمایہ دار جو خود سُود بھی لیتا ہے اور زکوٰۃ بھی نہیں دیتا پھر دین اسلام میں بھی شامل ہے ۔ اگر وہ مُنکر و منافق نہیں تو کیا ہے ؟

اِسی طرح جو عالم دین اللہ تعالےٰ کے خزانے اور علم قرآن کو پا چکا ہے پھر اُس کے وجُود سے خیر لبشری کے لئے کوئی فیض جاری نہیں تو وُہ بخیل نہیں تو کیا ہے ؟

اگر آپ خاص کر اللہ تعالیٰ کے حضُور میں ہر روز پیش ہو کر ہر قسم کی دُعائیں مانگتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے تمہیں جو دولتِ علم بخشی ہے اُس کی زکوٰۃ نہ دو گے بلکہ اس کے علاوہ تمام علم جمع کرتے جاؤ گے اور دیگر اپنے ہم نوا علمائے دین کو اِس امر کے لئے بھی مجبور نہ کرو گے تو اُن کا بھی فیض عالم اسلام میں عام نہ ہوگا ۔ تو کیا ہم تمام اُمتِ رسُول اللہ کی گنہگاری آپ کے سر نہ ہوگی !

لِللہ ہمیں اِس جلتی آگ میں سے نیم جلے تنوں کو باہر نکال لو ۔ اور تمام مسئلوں کو ان عنوانات میں بانٹ کر قرآن حکیم کے ارشادات واضح بیان کرو تاکہ ہم مغربیت و فرعونیت اور مادیت کی زد سے بچ نکلیں ۔ اور ہمارے مظلُوم ناسمجھ بچے جب کالج کی زندگی کو پہنچتے ہیں تو اُن کے ذہن بچپن کی وہ وضع جو اُنہیں تمام عمر میں ماحول سے چل کر ملتی ہے اُس پر وہ سختی سے پابند ہو جاتے ہیں ۔

جب دُنیا میں یہ بات ثابت ہے کہ ہر آدمی کو سر کی چوٹ مار دیتی ہے

یا جو نقش اوّل ہو

وُہی ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ بچہ کا شیشہ دِل و دماغ ہے اُس پر جو نقاشی موجودہ تعلیم اور موجودہ تعلیم اور سوسائٹی کر دیتی ہے وہ اُس کا تابع ہو کر تمام عمر چلتا رہتا ہے۔ جو فتنہ گری اور شر پسندی اس ماحول میں موجود ہے وہ اُس پر تمام عمر ضائع کرتا ہے۔ جس سے ہماری موجودہ نسلیں خراب ہو رہی ہیں ؎

طِفل میں بُو آئے کیوں ماں باپ کے اطوار کی
دُودھ تھا ڈبّہ کا اور تعلیم تھی سرکار کی

عام لوگ زیادہ گناہوں کو اپنی نجات اور نشاط زندگی سمجھتے ہیں۔ فرائض دین اور قرآن حکیم سے کوسوں دُور جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے اپنا فرض پہچان لیا اور علمائے دین کی امداد سے اِس کارِ خیر کو نبھا لیا تو سمجھ لو کہ ہم نے اپنی موجودہ نسلوں کی زندگی کو موڑ لیا۔

میرا مقصد درخواست یہ بھی ہے کہ ہم جو کچھ قرآن حکیم کے فلسفہ پر لکھیں وہ بچّوں کی زبان میں ہو جسے ہر مڈل اور میٹرک پڑھا بچّہ سمجھ سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اِحکام دین اور عذاب عظیم کی تمیز کر سکے۔ پھر وہ اپنے وجود اور ایمان اور گنہگار سوسائٹی کو تول سکے اور راہِ نجات حاصل کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جائے۔ اِس لئے درخواست کرتا ہوں کہ

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

احقر
حاجی غلام احمد
پاکستان پبلشرز لاہور

اِنسان اور قرآن

مولانا محمد بخش مُسلم بی۔اے خطیب مُسلم مسجد لاہور

پبلشرز

مُسلم پبلشنگ ہاؤس میکلوڈ روڈ۔ لاہور

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی

میں نے کئی بھیس بدل کر زندگی کا تماشا دیکھا ہے۔ میری عادت یہ ہے کہ میں دیدنی اشیاء کو اوپری نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ میں غور و فکر کی نگاہوں سے معائنہ کرنے کا عادی ہوں۔ مجھے لیڈروں کی محفلوں میں بیٹھنے کی سعادت و راحت نصیب ہوئی۔ میں نے اُن کی باتیں سُنیں۔ ان کے پروگرام میں جہاں تک ہو سکتا تھا۔ حصّہ لیا۔ میرا تجربہ وسیع ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ گناہ کیا ہے؟ دل و دماغ پر اس سے کیا اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ میں سیاہ کار سہی۔ مگر نیکی سے ناآشنائے محض نہیں ہوں۔ کسی دُکھی کی مدد کر کے جو راحت نصیب ہوتی ہے۔ اس کا لطف میں نے کئی مرتبہ حاصل کیا ہے۔ توبہ کے بعد کیف کی جو حالت نفسیاتی طریق پر رونما ہوتی ہے۔ میں اس جام سے بھی تشنہ لب نہیں ہوں

مجھے جماعت سازی کا جنون ہے۔ میں باتیں بنانی جانتا ہوں۔ اور یہ بھی سمجھتا ہوں۔ کہ ہر وہ قوم جس کی عمارت پختہ عمل کی اینٹ پر استوار نہ کی گئی ہو کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو بادل محض گرجے کبھی نہ برسے۔ اس سے کھیت تو کیا ہرے ہوں گے۔ دل نفرت کرتا ہے۔ اس سے کلیجہ دھڑکتا ہے۔ لچھے دار تقریریں بڑے مزے سے سُنی ہیں۔ مگر ان کی بے اثری ہمیشہ محسوس کی ہے۔ ٹھوس کام کا شوق ہے۔ کسی اقدام سے پہلے اس کے نقشے کو ہاتھ سے کاغذ پر کھینچنے کی ضرورت کا احساس ہمیشہ کیا ہے۔ یہ دیکھا ہے کہ ہماری قوم میں شاعر لاتعداد ہیں۔ مگر انجینئر بہت کم ہیں۔

بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا۔ کہ کچھ انسانی خدمت کروں۔ چند اہلِ علم حضرات

سے مِلا اور اُن سے پوچھا - کہ قرآن کے نزدیک اِسلام کی رُو سے اِنسان کا مقام کیا ہے ؟ اِنسان کتنی قسم کے ہوتے ہیں ؟ ان میں سے ایک میرے کرم فرما جناب مُسلم ہیں - جو لاہور کی ویدہ زیب مسلم مسجد کے خطیب ہیں - ان سے گفتگو کی - ان سے جو کچھ سُنا - اس سے دل اثر پذیر ہوا میری خواہش پر وہ اپنے بیان کو سپردِ قلم کرنے پر آمادہ ہو گئے - میرے کہنے سے اُنہوں نے کتاب "اِنسان اور قرآن" تحریر کر دی - میں نے اس کی اشاعت کے لئے اپنے دل میں ایک اضطراب محسُوس کیا - میں چاہتا ہُوں - کہ اِس کی اِشاعت عام ہو - اِس لئے اِسے اچھّے کاتب سے لکھوایا ہے - اور اچھّا کاغذ اِستعمال کیا ہے - طباعت کی بہتری کی جانب بھی توجہ کی ہے بایں ہمہ اس نسخہ کی قیمت بالکل واجبی مقرر کی - زیادہ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب خوب پھیلے - اگر قوم نے حوصلہ افزائی کی - تو اس نوعیّت کی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا جائے گا -

مَیں کتابوں کی طباعت و اِشاعت کا خاص ماہر ہُوں - اس لئے کہ

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں

اُمید ہے کہ برادرانِ مِلّت تعاون کا ہاتھ بڑھائیں گے - اور انسانیت کی خدمت میں میرے شریکِ کار ہوں گے -

غلام احمد

انسان

جو کچھ کہ جہاں میں ہے سب انساں کے لئے ہے
آراستہ یہ گھر اِسی مہماں کے لئے ہے

دہریّت یا مادّیت کا گمان یہ ہے - کہ اِنسان ایک اِتفاقی حادثہ ہے - ذرّات کے بے اِرادہ میل جول کا کرشمہ ہے - اِسلام کا بیان یہ ہے - اِنسان مخلوقِ کردگار ہے - قدرت کا شاہکار ہے - دہری کے نزدیک آدمی کی سرگذشت یہ ہے - کہ وہ ذرّات سے اُبھرا ہے - پیدا نہیں ہوُا - کسی کی عنایت سے ہویدا نہیں ہوُا - ننھّے ننھّے نورانی سیاہ ایثری ذرّے تھے - ان میں یکایک حرکت ہوئی - وہ اپنے مقامات سے سرکے اِدھر اُدھر ہوئے - ان کی اِس جُنبش سے ایک ہستی بنی - جو یونہی کسی کی زبان سے اِنسان کہلائی - اور اسی نام سے مشہور ہوگئی - اس ہستی کے متعلّق ایک معمّہ یہ ہے - کیا وہ محض ایک صُورت ہے ڈھانچہ ہے یا ہیولیٰ ہے - یا کچھ اور ہے ؟ مولانا رومیؒ اسے صرف صُورت نہیں مانتے اور دعویٰ کے ثبوت میں بدیہی صداقت پیش کرتے ہیں - فرماتے ہیں ؎

گر بصُورت آدمی اِنساں بُدے
احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بُدے

نقش بر دیوار مثلِ آدم است
بنگر از آدم چہ چیز او در کم است

جاں کم است آں گوہرِ با تاب را
رو بجُو آں گوہرِ نایاب را

عرب کی دو ہستیاں خاص شہرت کی مالک ہیں - ان میں سے ایک محمد مصطفیٰؐ احمد مجتبےٰؐ ہیں آپ محبوبؐ خدا ہیں - آپؐ نے ذاتِ باری کی سب سے زیادہ حمد کی اس لئے آپ احمدؐ ہیں - خدا نے سب سے زیادہ آپؐ کی تعریف کی - اس لئے آپ محمدؐ ہیں - دُوسرا شخص تھا عمر اس کے باپ کا نام تھا ہشام - اِس عمر بن ہشام نے اِسلام سے مُنہ موڑا - اور اصنام سے رشتہ جوڑا - اِس لئے توحید کی دُنیا نے اُسے بُوجہل (جہالت کا باپ) کا خطاب دیا - ظاہر ہے - کہ دونوں کا وطن مکّہ تھا - زبان عربی تھی - لباس عربی تھا - دونوں قریشی تھے - سیدھی بات ہے - کہ اگر انسان کی تعریف یہ ہوتی - کہ وہ خالی ایک کینڈے کی صُورت ہے تو اِس لحاظ سے دُنیا توبہ توبہ یہ کہتی - کہ احمدؐ اور بوجہل یکساں ہیں - مگر حقیقت یہ ہے - کہ ایسا کہنا' ایسا گمان کرنا بھی پرلے درجے کی جہالت ہے - کُفر ہے - "چہ نِسبت خاک را با عالمِ پاک" جب عقل و مذہب کا فیصلہ یہ ہے - کہ دونوں ایک نہیں - تو عیاں ہو گیا - کہ اِنسان صُورت کا نام نہیں اس وجدانی و ایمانی دلیل کے علاوہ مولانا ایک اور بُرہان پیش کرتے ہیں - فرماتے ہیں - اے دیکھنے والے تو نے دیکھا ہو گا - کہ دیوار پر کسی اِنسان کی تصویر بنی ہوئی ہے کیا واقعی وہی انسان ہے جس کی تصویر دیوار پر ہے ؟ ہرگز نہیں - تیرا جواب یہ ہے -

چاہنے والا تری تصویر لے کر کیا کرے
بات تیری تجھ میں ہے تصویر کی تصویر میں

سوچنے کی بات ہے - کیوں زید کی تصویر زید نہیں ؟ وجہ یہ ہے کہ زید جاندار ہے - تصویر بے جان ہے - راز کُھل گیا - انسان ڈھانچہ نہیں نشان نہیں - جان ہے -

قرآن کا بیان

قرآن شریف کے اٹھارویں پارے سورۂ مومنون میں بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ	بلاشبہ ہم نے اِنسان کو مٹّی کے نچوڑ سے پیدا کیا ہے۔

اِس میں دو حقائق کا اظہار ہے۔ اِنسان خُدا کی مخلوق ہے۔ اُس نے اسے مٹّی کے خُلاصہ سے پیدا کیا۔ دُوسرے مقام پر ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ	اللہ نے ہر شئے پیدا کی

مٹّی بھی شے ہے۔ وہ بھی مخلُوق ہے۔ حقیقی اِنسان کا دُوسرا نام آدم ہے۔ سرورِ عالمؐ فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ۔ قَبَضَ هَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ فَجَآءَ بَنُوْآدَمَ عَلٰى قَدَرِ الْاَرْضِ۔ مِنْهُمُ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضُ وَالْاَسْوَد وَبَيْنَ ذٰالِكَ وَالسَّهْلَ وَالْحُزْنَ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ۔

(ترمذی شریف)

اللہ تعالےٰ نے اِنسان کو مٹّی کی ایک مُٹھّی سے پیدا کیا۔ زمین کے ہر ٹکڑے سے مٹّی اکٹھی کی گئی۔ اِن کا نچوڑ لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اِنسانوں کا رنگ سُرخ ہے۔ بعضوں کا سپید ہے۔ بعض سانولے ہیں کالے ہیں۔ اور بعض ان میں سے مِلتے جُلتے رنگ والے ہیں۔ بعض نرم ہیں بعض سخت ہیں۔ بعض گندے ہیں۔ بعض سُتھرے ہیں، پاک ہیں۔

اگر ہم مختلف شربتوں کو لے کر ایک برتن میں جمع کریں۔ اور پھر ان کو

چھان کر ایک گلاس میں ڈالیں - تو جو شربت اس گلاس میں ہوگا - وہ شربتوں کا نچوڑ ہوگا - حدیث سے واضح ہوگیا - کہ آدمی کے بدن کی جو مٹی ہے - وہ مٹیوں کا ست ہے - مٹی کے نیچے بے شمار کانیں ہیں - پانی ہیں - مٹی اوپر کی دنیا سے فیض یاب ہوتی ہے - ہوا - ستارے - سیارے سب اپنی کرنیں شعاعیں اس پر پھینکتے ہیں - بارش کے قطرات اس پر پڑتے ہیں - اِس لئے کہا جا سکتا ہے - کہ اِنسان کی مٹی بھی عجیب ہے

قرآن کے پارے ۳۰ ویں میں مذکور ہے - اس کی صورت بھی بہت ہی خوب ہے - ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

ہم نے اِنسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے -

حدیث نبویؐ ہے -

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ

اللہ نے اِنسان کو اس کی شایانِ شان صورت میں پیدا کیا

سچ ہے ؎

ہوش اُڑا دیتا ہے اِن زُہرہ جبینوں کا جمال
خود وہ کیا ہوگا انہیں ہوش میں لانے والا

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ

پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ میں نطفہ بنایا

اِنسان کی تمام خوراک مٹی سے ہے - غلہ - پھل - سبزی - دودھ - گوشت اِنسانی غذا ہے - غلہ - پھل - سبزی بلا واسطہ زمین سے پیدا ہوتی ہے - سبزی خور حیوان پرند اور چرند کی خوراک بھی یہی ہے - حیوان بھی

مٹّی سے ہیں - جو درندے حیوان کا گوشت کھاتے ہیں - وہ بھی مٹّی سے ہیں
اِنسان کی اصلیّت مٹی سے ہے - درست ہے کہ مٹّی میں پانی ملاتے ہیں تو
سب کچھ اُگتا ہے - جیسے مکان گارے سے بنتا ہے - اینٹوں سے طیار ہوتا
ہے - ان میں مٹّی ہوتی ہے اور پانی ہوتا ہے - مشاہدہ ہے کہ جب عمارت طیار
ہو جاتی ہے - پانی اُڑ جاتا ہے - مگر مٹّی نہیں اُڑتی - ہم اپنے بدن کو کھجلائیں
تو مٹّی نکلتی ہے - آنکھ کے سوا کسی اور عضو سے پانی نہیں ٹپکتا - مٹّی زیادہ
باوفا ہے - اسی لئے قرآن نے کہا ہے - کہ اے انسان ہم نے تجھے مٹّی سے
پیدا کیا - مٹّی ہی میں تجھے دفن کیا جائے گا اور مٹّی سے ہی بروز قیامت اُٹھایا
جائے گا - حقیقت یہ ہے جب ہم زندہ تھے - ہم نے مٹّی کو کھایا - جب
ہم مر کر مٹّی میں مل گئے - مٹی نے ہم کو کھایا - مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

خاک ما خوردیم عمرے در غذا
خاک مارا خورد آخر در جزا

ہم نے عمر بھر مٹّی کو بطور غذا کھایا - زمین نے بدلہ لیا - اس نے
آخر کار ہمیں کھایا - عوض معاوضہ گلہ ندارد

ہماری خوراک کا ست عطر نچوڑ خون ہے - اور خون کا نچوڑ نطفہ ہے
قدرت نے اُسے اس مقام پر رکھا جو اس کے ٹکاؤ اور جماؤ کے لئے
موزوں ترین ہے -

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے -

يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ
كَيْفَ يَشَاءُ

اے بنی نوع اِنسان اللہ تعالےٰ
رحموں میں تمہاری تصویریں جیسی
چاہتا ہے بناتا ہے -

لوگ کہتے ہیں - پانی پر نقش کیوں کر ہو سکتا ہے - شکم مادر رحم مادر کے تاریک مقامات میں آبِ زندگی سے صورتوں کا بننا ظاہر کرتا ہے - کہ ان کی نوک پلک سنوارنے والا خالق واقعی یہ شان رکھتا ہے - کہ انسان اس کی عبادت کرے -

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً	پھر ہم نے نطفہ سے نعل نما گوشت بنایا -
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً	پھر اس گوشت کے ٹکڑے کو گوشت کا لوتھڑا بنایا -
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا	پھر اس لوتھڑے کو ہڈی بنایا -
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۝	پھر اس ہڈی پر گوشت کی تہ چڑھا دی -
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ	پھر ہم نے اس کے ڈھانچے کو ایک اور نوعیت کی مخلوق کی صورت میں نوازا -
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝	پس بڑی ہی بابرکت ہستی ہے اس اللہ کی - جو سب پیدا کرنے والوں میں بہترین پیدا کرنے والا ہے
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ	پھر اس کے بعد تمہاری منزل موت ہے
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	پھر اس کے بعد تم قیامت

تُبْعَثُونَ کے دن اُٹھائے جاؤ گے۔

اِن نو ۹ منزلوں میں سے پہلی چھ ۶ منزلوں کا تعلّق جسمِ اِنسانی سے ہے۔ ساتویں مرحلہ پر رُوحِ اِنسانی ظہور پذیر ہوتی ہے۔ آٹھواں مقام مَوت ہے۔ اور نوویں کا تعلّق قیامت سے ہے۔

پیدائِش کا مقصد

ارشاد ہوتا ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ — ہم نے جنّ و اِنسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اِس میں یہ ظاہر کیا۔ خالق معبود ہے۔ اور اِنسان عابد ہے مقامِ غور ہے۔ جمادات و نباتات و حیوانات و جنّ و ملائکہ میں سے کون ہے۔ جس کا گزارہ انسان کے بغیر نہیں۔ اور خُدا کی خُدائی میں وہ کونسی مخلوق ہے۔ کہ جس کے بغیر انسان کا گزارہ ہوسکتا ہے۔ اگر زمین نہ ہوتی۔ تو اِنسان کا کیا بنتا؟ اگر انسان نہ ہوتا تو زمین کا کیا بگڑتا۔

جس طرح اِنسان زمین کا سینہ پھاڑتا ہے۔ اس میں میخیں گاڑتا ہے۔ اسے بُری طرح لتاڑتا ہے۔ کیا اس طرح کا سلوک کوئی اور مخلوق بھی اُس کے ساتھ کرتی ہے؟ کیا زمین یہ تسلیم کرسکتی ہے۔ کہ اِنسان اشرف المخلوقات ہے؟ پھلوں۔ سبزیوں۔ پھولوں اور غلّوں کا بُرا حشر اِنسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ وہ کون ہیں کہ جن کی نسبت پھُول بھی یوں شکوہ سنج ہیں۔

اگر یہ جانتے چُن چُن کے ہم کو توڑیں گے
تو گُل کبھی نہ تمنّائے رنگ و بُو کرتے

کون ہے کہ جو پھولوں کے جگر کو چھید کر اپنے لئے ہار طیار کرتا ہے۔ اگر آسمان پر سورج نہ چمکتا۔ تو انسان کا کیا بنتا؟ اگر انسان نہ ہوتا۔ تو کیا سورج کی درخشانی۔ چاند کی تابانی اور ستاروں کی ضوفشانی میں کوئی فرق پیدا ہو جاتا۔ ہوا کو انسان کی کیا ضرورت ہے؟ مگر انسان ہوا کی ضرورت سے کیوں کر بے نیاز ہو سکتا ہے۔

بڑے سے بڑا اچھا تما جو اپنے آپ کو گائے کا پجاری کہتا ہے۔ گائے کا دُودھ اُس کے بچھڑے سے زیادہ پیتا ہے۔ اگر انسان نہ ہوتا۔ تو گائے بڑے آرام سے زندگی بسر کرتی۔ جب یہ حضرت اِنسان کسی کے لئے بھی نفع رساں نہیں۔ اس کی ہستی کسی کے لئے بھی ناگزیر نہیں تو پھر کیوں کر کہا جائے کہ یہ اشرف المخلوقات ہے۔ قرآن نے بتایا۔ کہ چونکہ یہ خُدا کی عبادت کے لئے سب سے زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اِس لئے افضل ہے اشرف ہے اکرم ہے۔ اِسی کے پیش نظر سعدیؒ کی یہ نصیحت کتنی وزنی کتنی پائدار اور کتنی دلپذیر اور کتنی موثر ہے۔ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

بادل، ہوا، چاند، سُورج آسماں سب اس کام میں مصروف ہیں تاکہ اے اِنسان تجھے روٹی کا ٹکڑا میسر آجائے اور تو غفلت سے یہ

نہ کھلائے۔ سب تیرے کام میں مشغول ہیں۔ اِنصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ تو اسی کا حکم مان جس نے اِن سب کو تیرے کام میں لگایا۔
اِنسانیت یہی ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ کُل خدائی کی خدمت کی جائے اور دُنیا کے سب سے بڑے اِنسان رحمتہ اللعالمینؐ کی سنّت پر عمل پیرا ہو کر اِنسان کائنات کے لئے حسب ظرف خُود رحمت بن جائے۔ ہم بلاشبہ عبادت الٰہی کے لئے پیدا ہُوئے ہیں۔ بلاشبہ کائنات اِنسان کے لئے ہے قرآن نے بتایا۔ کہ زمین اور آسمان کی ہر شے اِنسان کے لئے ہے علم انسانی سے بھی یہی عیاں ہوتا ہے۔ کہ عالم انسان کے لئے ہے۔ اِنسان زمین چاند سُورج ہَوا، فضا اور سے حسب منشا کام لے رہا ہے۔ وہ سائینس کے ذریعے آسمان کے تاروں کو شمار میں لا سکتا ہے۔ آفتاب کو ناپ سکتا ہے۔ ہَوا کو تول سکتا ہے۔ سمندر کو خشک کر سکتا ہے۔ آسمان سے پانی برسا سکتا ہے۔ اور جیسا کہ ان حدیثوں سے جو دجال کی نسبت بیان کی گئی ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ وہ آسمان و زمین کی طنابیں کھینچ کر رکھ سکتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا۔ کہ وہ کس کے لئے ہے؟ وہ اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

وہ آتے ہوئے بھی روتا ہے۔ اور جاتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں۔ اس کا یہ قول درست ہے۔

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہُوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہُوں

میرے آنے کا مطلب اُن سے پُوچھو
میں خوُد آیا نہیں لایا گیا ہُوں

حدیث نبویؐ بتاتی ہے۔کہ اِنسان کا مدعا رضائے خدُا ہے - اور رضائے خدُا اس میں ہے - کہ اِنسان اپنے بھائیوں پر شفقت کرے ان کی قرار واقعی خدمت خلق کرے -

عبادت بہ از خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

اِنسان کیا ہے؟

اِنسان کا سمجھنا اِس لئے دشوار ہے - کہ وہ کائنات کا عطر ہے موجودات کا خلاصہ ہے - وہ جسم بھی ہے نامی بھی ہے حیوان بھی ہے جن بھی ہے فرشتہ بھی ہے - اور انسان تو وہ ہے ہی -اِنسان کو بہ حیثیت جسم دیکھنا آسان ہے - بہ حیثیت حیوان دیکھنا بھی مشکل نہیں - شعور یہ ہے کہ اسے بہ حیثیت اِنسان دیکھا جائے - مولانا رُومی لکھتے ہیں -

دی شیخ با چراغ ہمے گشت گرد شہر
کز دام و دَدؔ ملولم و اِنسانم آرزوست
ایں ہمرہانِ سُست عناصر دلم گرفت
شیر خدُا و رُستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت مے نشود جستہ ایم ما
گُفت آں کہ یافت مے نشود آنم آرزوست

کل شیخ ہاتھ میں چراغ لے کر شہر کا چکر لگا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ میں چرندوں اور درندوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ مجھے اِنسان کے دیکھنے کی خواہش ہے۔ میرا دل ان سے بیزار ہو گیا ہے جن کے رگ و ریشہ میں بُزدلی اور کاہلی سمائی ہُوئی اور رچی ہُوئی ہے۔ میں اُن کے ملنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ کہ جو اللہ کے شیر اور رُستمِ کہلانے کے مستحق ہوں۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت اِنسان کی تلاش میں مَیں نے بھی بہت تگ و دو کی ہے مگر وہ نہیں مِلا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ میرے دِل میں بھی اُس کے نظارے کی تمنّا ہے۔ کہ جو نہیں مِلتا۔

اقبالؒ نے تو حد کر دی۔ لکھتے ہیں :۔

خُدا ہم در تلاشِ آدمی ہست

اللہ بھی اِنسان کی تلاش میں ہے۔

حیوانی زندگی

مدعیانِ عقل و دانش نے اس وقت تک اِنسان کی مادی زندگی۔ جمادی زندگی۔ نباتاتی زندگی۔ حیوانی زندگی کو دیکھا ہے۔ دانشورانِ یونان علمائے فرنگ نے انسان کی حیوانی زندگی معلوم کرنے میں معتدبہ کامیابی حاصل کی ہے۔ اِطبّا نے بھی اسی کی تشخیص کی ہے۔ وہ نبض سے اِنسانی زندگی کا حال معلوم نہیں کر سکتے۔ اِنسان اگر انسانی حدود میں محض مادی ہوتا۔ تو بلاشبہ مادی ذرائع سے اس کی زندگی اور اس کی موت کا سراغ لگایا جاتا مصیبت تو یہ ہے۔ کہ اِنسان بہ اِعتبار انسان جسم نہیں رکھتا۔ خط و خال نہیں رکھتا۔ وہ نظر کے سامنے نہیں ہے۔ آپ آئینہ لے آئیے۔ تاکہ

اپنے آپ کو دیکھیں - آپ نے اپنی صورت کو دیکھا - اپنی انسانیت کو آئینہ سے نہیں دیکھا - آپ نے جسمانیت دیکھی حیوانیت دیکھی - یُوں کہہ لیجئے - بشریّت دیکھی - انسانیت نہیں دیکھی - اگر زیادہ غور سے کام لیں تو کہا جا سکتا ہے - کہ آپ نے اِنسان کی جمادی اور مادی حیات دیکھی ہے - نباتاتی زندگی بھی نہیں دیکھی - آپ باغ میں جائیں - درختوں پر نظر دوڑائیں - پھولوں غنچوں اور ڈالیوں کو اپنی نظر کے سامنے لائیں - ہرے بھرے کھیتوں کو ملاحظہ کریں - کیا آپ نے درختوں کو اس طرح بڑھتے دیکھا جیسے مکان کو اُونچا ہوتے دیکھا - آپ کے سامنے دیوار بڑھی - ایک ردے کے بعد دوسرے ردے کے وقت اُونچائی میں اضافہ ہُوا - مگر کیا آپ کو یہ نظر آتا ہے - کہ درخت اسی طرح بڑھ رہا ہے - جس طرح فوّارے کا پانی بڑھتا ہے - مختصر یہ کہ آپ نے درخت کی جسمیت کو دیکھا - اس کے نمُو یا بڑھنے کے عمل کو نہیں دیکھا - عیاں ہُوا - کہ نظر کا دائرہ محض جمادات تک ہے - آہ جب یہ ہے تو خالقِ کائنات کو ہر کہ و مہ اِس دُنیا میں کیوں کر دیکھ سکتا ہے - جب آپ کی نگاہ جسم کی حد سے گذر کر اس احاطہ میں داخل ہُوئی - جسے "نامی" کہتے ہیں - تو وہ رہ گئی - بے کار ہو گئی - آپ خوردبین لے کر یا جو آلۂ بینائی ہو لے کر جتنا عرصہ چاہیں - کسی پھل کے درخت کسی پھول کی ٹہنی - کسی کھیت کے فصل پر نظر جمائیں - ٹکٹکی لگائیں - آپ قطعاً یہ نہیں دیکھ سکیں گے - کہ درخت یا ٹہنی یا فصل آپ کے سامنے یوں بڑھ رہی ہے اُونچی ہو رہی ہے - جیسے کنکوا بلند ہوتا ہے - یا مینار بنتا چلا جاتا ہے - آپ جسم دیکھ سکتے ہیں - دگر ہیچ -

لختِ جگر کی مثال

شجر تو دُور کی چیز ہے - آپ کا ثمر آپ کا لختِ جگر تو آپ کی گود میں ہے آپ اپنی نظر سے نورِ نظر کو دیکھیں - بلا شبہ وہ بڑھ رہا ہے - ہر دقیقہ کے بعد بڑھ رہا ہے - لیکن کیا آپ اس کے بڑھنے کو دیکھ رہے ہیں؟ - آپ چاہتے ہیں کہ دیکھیں - ہر ماں چاہتی ہے کہ دیکھے مگر وہ نہیں دیکھتی - نہیں دیکھ سکتی - ظاہر ہُوا - کہ آپ کے بچّے کا نشوونما بھی آپ کی حِسّ ظاہری سے ماورا ہے - نشوونما کا تعلّق نباتاتی زندگی سے ہے - جمادات و نباتات کے بعد حیوانات کی منزل ہے - کیا آپ اس کے ارادے کو دیکھ سکتے ہیں؟ ملکی جنّی مرحلہ تو دُور کی شے ہے - انسانیت کا مقام تو ان منازل و مراحل کے بعد کا ہے - یاد رہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم جسم کو دیکھ رہے - وہ اسی لئے ہے - کہ کوئی جزو کُل نہیں - اور کوئی غیر کل جزو نہیں ہے - علمی نگاہ سے معاملہ کو دیکھا جائے - تو کہا جا سکتا ہے - کہ ہم جسم میں سے بھی محض رنگ اور ظاہری ڈھانچے کو دیکھتے ہیں - یورپ کا فلاسفر برکلے تو یہ بھی کہے گا کہ رنگ و روپ تو عوارض ہیں - اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہے عوارض ہی ہیں - جواہر بھی تو مجموعہ عوارض ہی ہیں اور کچھ نہیں -

عظمتِ جسمانی

بہر نوع ہم نے جمادات کو دیکھا سمجھا - نباتات کو پہچانا - حیوانات کو جانا - جنّ کو تحقیق کی چھلنی میں چھانا - دُنیا کے ذرّے ذرّے کو چھان ڈالا ہم نے سب کو دیکھا - مگر اپنے آپ کو نہ دیکھا - سچ ہے کہ انسان کو کسی

نے دیکھا جسمانی تصور سے، کسی نے نشو و نما کے اعتبار سے، کسی نے حیوانی لحاظ سے - اگر انسان یہی ہے - کہ جو اجزائے مادی کا ایک پیکر ہے - ایک جسم ہے - تو اس نیلی چھت کے نیچے اسے کوئی شاندار مقام حاصل نہیں ہے وہ کوئی وقیع حیثیت نہیں رکھتا - جمادی معیار سے اس کی عظمتِ جسمانی پہاڑ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں - اگر اسے اپنے نامی ہونے پر گھمنڈ ہے - تو اس پر واضح ہو جانا چاہیئے - کہ جس تیزی سے پودا بڑھتا ہے وہ نہیں بڑھتا - اگر وہ محض جسم ہوتا - تو وہ حق بجانب تھا - کہ حجر و شجر کے سامنے جھک جائے - اس لئے کہ اس کا سینہ چٹان جتنا مضبوط نہیں - اس کا قد آم کے درخت اور جامن کے درخت سے اونچا نہیں - اگر اسے اس پر ناز ہے کہ وہ دیکھتا ہے - سنتا ہے - چکھتا ہے - ٹٹولتا ہے - بولتا ہے - گرجتا ہے - کھاتا ہے - پیتا ہے - تو اسے بتا دو کہ ان گنت چرند و پرند و درندے ایسے ہیں کہ آدم کا کوئی فرزند ان اوصاف میں ان کا ہم پلّہ نہیں ہے - اگر انسان حیوانات کی ترقی یافتہ صورت ہوتا - تو یہ ہو نہیں سکتا تھا - کہ وہ کسی حیوان سے کمزور ہوتا - کوئی ہاتھی کوئی شیر اس سے زیادہ مضبوط نہیں ہو سکتا تھا -

یہ بھی درست ہے - کہ انسان میں حیوانات کی مانند قوتِ شہوانی - قوّتِ سبعی و قوّتِ بہیمی بھی ہے - اس میں ہاتھی کی قوّت - شیر کی شجاعت ریچھ کی وحشت بھی ہے - ہر آبی - خاکی - ہوائی جانور کی خصوصیت اس میں ہے - یہ جرمِ صغیر ہے - کائنات کا خلاصہ ہے - یہ ٹھیک ہے کہ شیر اپنی شیرانہ خو کو چھوڑ نہیں سکتا - وہ لومڑ نہیں بن سکتا - مگر انسان لومڑ کی مانند مکار بھی ہو سکتا ہے اور اونٹ کی طرح کینہ توز بھی ہو سکتا ہے - اتنا پاک ہو سکتا ہے - کہ فرشتے بھی اس پر رشک کھائیں - اور اتنا گندا بھی ہو سکتا

ہے۔ کہ جانور اِس کی خباثت پر شرمائیں۔ قرآن نے بتایا کہ وہ بھی اِنسان ہیں جن کا جبرائیل خادم ہے۔ اور ایسے بھی ہیں جن کی نسبت الہام ربانی میں یہ کہا گیا ہے۔

اولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ — وہ حیوانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔

اسے کہا گیا ہے۔ کہ وہ شیطانی راہوں سے بچے اور اخلاقِ ربانی پیدا کرے۔ اس میں بلاشبہ یہ صلاحیت ہے کہ وہ اوصاف الٰہی سے موصوف ہو جائے۔ جبھی تو فخر انسانیت نے فرمایا۔ تخلقوا بہ اخلاق اللہ۔ اپنے آپ کو خدائی خوبیوں آراستہ و پیراستہ کرو۔ اقبالؒ کا بیان ہے۔ کہ اس کی ساری شاعری متذکرہ حدیث نبویؐ کی شرح ہے۔ بلاشبہ "انسان" ہی یہ کہہ سکتا ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبرائیل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

اِنسانی کمال یہ ہے۔ کہ وہ ربانی اوصاف پیدا کرے۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق انسانوں کے لئے کریم بن جائے۔ رحیم بن جائے۔ جیسے مصوّر کا کمال یہ ہے۔ کہ ایسی تصویر بنائے۔ کہ جو قدرت کی بنائی ہوئی صورت کے مشابہ ہو جائے۔ ایسے ہی کمالِ انسانی یہ ہے۔ کہ انسان کی ہمدردی کا عالم یہ ہو۔ کہ وہ ایسا ہمدرد ہو۔ کہ اس کی ہمدردی سے قدرت کی ہمدردی کا راز ظاہر ہو جائے۔

منطقی بولے، اِنسان حیوان ناطق ہے۔ مگر انسانیت اور حیوانیت میں پرلے درجے کا تفاوت ہے۔ اِنسان اس جسم بشری کا نام نہیں

خِلقت (پیدائش) اور جنسیت کے اعتبار سے حیوانِ مطلق اور حیوانِ ناطق میں کوئی فرق نہیں۔ گوشت پوست ہڈیاں معدہ جگر انتڑیاں ان میں ہیں اور یہ ہم میں بھی ہیں۔ ہمارے معدے میں بھی قوّتِ ہاضمہ (ہضم کرنے کی قوت) قوّتِ ماسکہ (غذا کو جزوِ جان بنانے کی قوت) اور قوّتِ دافعہ (مضر ناپسندیدہ خوراک کو پھینک دینے کی قوت) ہے حیوان کے معدے میں بھی ہے۔ ہمارا جگر بھی خون بناتا ہے۔ ان کا جگر بھی۔ دل پر پہنچ کر اُن کا خون بھی اچھلتا ہے ہمارا بھی۔ فرق یہ ہے کہ اِنسان حرکتِ قلب کے یکایک رُک جانے سے جس طرح ہلاک ہو رہے ہیں یہ نوعیت حیواناتِ مُطلقہ کی نہیں ہے۔ شکم پروری کے بغیر دونوں کا چارہ نہیں۔ حواسِ خمسہ (بولنا۔ سُننا۔ چکھنا۔ سُونگھنا۔ چھُونا) اُن میں ہیں۔ ہم میں بھی ہیں۔ قوّتِ غضبیہ اور قوّتِ شہوتیہ ان میں ہم سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ان کے مناسبِ حال ان میں سمجھ بوجھ بھی ہے۔ دوست اور دشمن کی پہچان کے لحاظ سے وہ شاید ہم سے کچھ زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ یہ حقائق واضح ہیں۔ بدیہی ہیں۔ محتاجِ دلائل ہی نہیں۔ مولانا رومیؒ نے اپنے رنگ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

آدمیّت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیّت جُز رضائے دوست نیست
آدمیّت گر بقوّت مے شُدے
گاؤ و خر از آدمی بہتر بُدے

آدمیّت گوشت نہیں۔ چربی نہیں۔ چمڑا نہیں۔ آدمیّت ہے خُدا کی رضا کا حاصل کرنا۔ اگر کھانے پینے غصّہ وغیرہ کرنے کی قدرت

کا نام آدمیّت ہوتا۔ تو گائے اور گدھے جیسے جانور بھی آدمی سے بہتر ہوتے۔ جسم کے سوا دونوں میں رُوحِ حیوانی ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ باقاعدہ تصرّف سے خُون پیدا ہوتا ہے۔ اِس سے لطیف بخارات اُٹھتے ہیں۔ اُبھرتے ہیں۔ ان کے ذریعے خُون جزوِ بدن بنتا ہے۔ عربی میں اسے نسمہ کہتے ہیں۔ حکما و اطبّا کی بولی میں اس کا نام رُوح حیوانی ہے۔ حیوان مطلق جسم کے اعضاء، غذا اور رُوحِ حیوانی کے اعتبار سے زیادہ شاندار اور ذی اختیار چیز ہے۔ جسم اِسی رُوحِ حیوانی کے اِعتبار سے زندہ ہے۔ گویا یہ گھر اسی چراغ کی وجہ سے روشن ہے۔ چراغ کا وجُود بتّی اور روغن سے ہے۔ جسم کا انجن غذا کے ایندھن سے رواں ہے دواں ہے دِیا یا لیمپ یا بجلی کا بلب ایک مقام پر ہوتا ہے۔ اس کی روشنی سارے کمرے میں ہوتی ہے۔ رُوحِ حیوانی کا مقام دل ہے۔ مگر اس کا اثر سب جگہ پر ہے۔ اِنسان میں رُوح حیوانی کے علاوہ رُوحِ انسانی بھی ہے یہ خُدا کا خاص عطیہ ہے۔

خاص رُوح

قرآن نے فرمایا کہ آدم کے پُتلے میں خُدا نے خاص رُوح پھُونکی نَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ۔ اِس رُوح کے شرف و اکرام و اجلال ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی جانب منسوب فرمایا۔

ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت
کہ میری ذات سے اپنا پتہ دیا تو نے

حیوان کے لئے حلال و حرام کی تمیز نہیں۔ انسان کے لیے ہے۔

اِنسان جو خوراک کھائے گا، اس کی جو تاثیر ہوگی - اس کے بدن اور اس کی رُوحِ حیوانی کو اپنی لپیٹ میں لے گی - حلال و حرام کا اثر اس کی رُوحِ اِنسانی پر ہوگا - نیکی اور بدی کا واسطہ رُوحِ انسانی سے ہے - اگر رُوحِ حیوانی رُوحِ اِنسانی پر غالب آجائے - تو اِنسان حیوان بن جاتا ہے

نفسِ امّارہ

اس رُوح کے تین پرتو ہیں - ایک کا نام ہے - نفسِ امّارہ - اس کی خصوصیّت ہے کہ وہ بدی کا، شر کا، فساد کا حکم کرنے والا ہے - قرآن کا ارشاد ہے -

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ — بلا شبہ نفسِ امّارہ برائی کا حکم کرنے والا ہے -

مولانا رومیؒ لکھتے ہیں -

نفس مے خواہد کہ دِل ویراں کند
خلق را گمراہ و سرگرداں کند
اُو بکوشد تا گناہے آورد
زاں گناہ ما را بہ چاہے اُفگند

نفس یہ چاہتا ہے - کہ دل کے گھر کو اُجاڑ دے - دُنیا کو خراب کرے حیران کر دے - اس کی کوشش یہ ہوتی ہے - کہ اِنسان گناہ کرے - اور اس گناہ سے تباہی کے کنوئیں میں گِر جائے -

نفسِ لوّامہ

ایک دُوسرا نفس ہے - قرآن نے اسے نفس لوّامہ کہا ہے - لوّامہ

کے معنے ہیں جھڑکنے والا ۔ ملامت کرنے والا ۔

اُنتیسویں پارے سورۂ قیامت میں ہے

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَه ۔ میں قسم کھاتا ہوں ۔ ملامت کرنے والے نفس کی ۔

اِسے ضمیر بھی کہتے ہیں ۔ یہ ایک نعمت ہے ۔ جب کوئی پہلی مرتبہ بدی کا مرتکب ہونے لگتا ہے ۔ تو یہ نفس اپنے مخصوص انداز میں اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے ۔ اگر انسان اس کی آواز کو قابلِ قبول گردانتے کا خوگر ہو جاتا ہے ۔ تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے ۔ کہ نفس امّارہ مرعوب و مرہوب و مغلوب ہو جاتا ہے ۔ اور نفسِ لوّامہ نفسِ مُطْمَئِنَّہ (سکون اور آرام پکڑنے والی نفس) بن جاتا ہے ۔ ۳۰ ویں پارے کی سورہ الفجر میں ہے ۔

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَه ۔ اے آرام پکڑنے والی جان متوجہ ہو جا اپنے پروردگار کی طرف تو اس سے راضی ہو جا ۔ اور اللہ راضی ہو تجھ سے ۔

بہترین خلائق

آنحضرتؐ کے اصحابؓ کی نسبت قرآن مجید نے یہ بتایا ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّه لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَار ۔ جو لوگ رسالتِ نبویؐ پر ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کئے وہ ہیں خدا کی بہترین خلائق ۔ ان کے لئے ہیں باغ ۔ جاری ہیں ۔ ان باغوں میں بہت

خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ
(پارہ ۳۰ سورہ بینہ)

نہریں - یہ رہیں گے اس میں ہمیشہ راضی ہو گیا اللہ ان سے اور وہ راضی ہو گئے اللہ سے

جن حضرات کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے - ان کی زندگیاں قابلِ رشک ہو جاتی ہیں - انہیں اللہ تعالےٰ مشاہدات والہامات سے نوازتا ہے - یہ لوگ خود آشنا و خدا آشنا ہوتے ہیں - اقبالؒ کہتا ہے کہ مسلمان کا فرض ہے - کہ ان کی راہوں پر چلے -

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آدمؑ کی پیدائش

نسلِ انسانی کے پدر بزرگوار بقولِ احمد مختارؐ حضرت آدم ہیں - حدیثِ نبویؐ ہے - کلکم بنو آدم - تم سب اولادِ آدم ہو - قرآن مجید کی رُو سے سرگذشت آدمؑ یہ ہے -

ارشاد ہوتا ہے -

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً

اے مخاطب یاد کر اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا - کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں -

(پہلا پارہ سورہ بقر)

اِس جملہ کا ابتدائی حرف اِذْ (جب) ظاہر کرتا ہے۔ کہ پیدائش اِنسان کی گھڑیاں تاریخ کائنات کی غور طلب ساعتیں ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے۔ کہ تخلیق (پیدائش) تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے۔ پرند۔ چرند۔ جنّ و ملک بھی پیدا ہی ہوئے ہیں۔ لیکن قرآن نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ یہ شرف محض انسان کو حاصل ہے۔ کہ اس نے اپنے اِس ارادے کو بھی اِنسانوں کے لئے خاص توجہ کا مستحق ظاہر کیا ہے کہ جس کا تعلّق آدمؑ کی تخلیق سے ہے۔ اس کے نمود کا ذکر بے نظیر دلپذیر پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ کہ اللہ نے واضح کیا ہے۔ کہ آخر کیا وجہ تھی۔ کہ اتنی مخلوق کے ہوتے ہوئے اِنسان کو پیدا کیا گیا۔ یہ شرف صرف خلقتِ آدم کے حِصّہ میں آیا ہے کہ اس کا تذکرہ با الفاظ خاص کیا گیا ہے۔ اور یہ اسلوب بیان اپنی ذات میں افضلیّت و اشرفیّت اِنسانیت کی ایک روشن دلیل ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اُس مخلوق کو اس سے آگاہ کیا۔ کہ جو فرشتوں کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ کہ فرشتوں کو پیدائش آدم کے متعلق جو ان کی رائے ہے۔ اس کے اظہار کا موقعہ دے۔ اللہ تعالےٰ اِس مقام پر خصوصیّت سے اپنی اسی شان کا اظہار کرتا ہے۔ کہ وہ نبئ کریمؐ کا خالق ہے۔ لاریب نبئ کریمؐ قدرت کی سب سے جلیل القدر مخلوق ہیں آپ کی ہستی ربّ العالمین کی ہستی کا روشن ترین ثبوت ہے۔ یہ فرمانا "تیرے پروردگار نے کہا" معنیٰ خیز جملہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے یہ کہا۔ کہ وہ زمین میں ایک نائب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ پیدا کرکے اطلاع نہیں دی کہ اس نے آدمؑ کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ اس کی پیدائش سے پہلے بتایا ہے۔ کہ وہ ایسا کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ وہ فعال لما یرید ہے وہ کرنے والا۔

ہے اسی کا جسے وہ چاہتا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ مگر اس کی ذرہ نوازی ہے کہ اس نے اظہار رائے کا موقعہ فرشتوں کو دیا۔

لفظ "آدم" بھی خاص توجہ چاہتا ہے۔ ان کا جسم کرۂ ارض کا نچوڑ تھا۔ سطح زمینی کو کہتے ہیں۔ ادیم الارض۔ آدم کے معنے وسیلہ کے بھی ہیں۔ وہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ تھے۔ آدم جمع کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ آدم جامع الصفات تھے۔ بلاشبہ انسان میں کائنات کی صفات ہیں۔ وہ کائنات کا خلاصہ ہے۔ اس میں اوصافِ ربّانی سے متصف ہونے کی بھی صلاحیت ہے۔ یاد رہے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور مخلوق کسی صورت میں بھی خالق نہیں ہو سکتا۔ علم الحیات (بیالوجی) کی یہ تحقیق خاص غور چاہتی ہے۔ کہ اگر کسی نوع پر بہ حیثیتِ مجموعی نگاہ ڈالی جائے۔ تو اس کے جو افراد ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ اُن کا وجود پیدا شدہ افراد کے مقابلے میں زیادہ ظاہر و باہر ہوتا ہے۔ وہ بدیہی الوجود ہوتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ دُنیا کی پُوری تاریخ شاہد ہے۔ کہ جو موجود ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اُن کے لئے قربان کر دیتے ہیں کہ جو موجود ہونے والے ہوتے ہیں۔ حال کو مستقبل کے لئے قربان کرنا ہی پڑتا ہے۔

آدمؑ آئندہ نسلوں کے بھی قائم مقام تھے۔ آیت میں جو لفظ "خلیفہ" استعمال کیا گیا ہے۔ وہ بھی غور طلب ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ	اللہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں ایک دُوسرے کے بعد اس کی جگہ لینے والا بنایا۔

حضرت داؤدؑ کی نسبت بیان فرمایا۔ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ

خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ - حضرت داؤدؑ زمین میں خلیفہ تھے - بادشاہ تھے زمین پر متصرف تھے - آدم میں تمام صفات آدمیت تھے - ان کی نسل سے اچھے بھی پیدا ہونے والے تھے اور برے بھی - انسان ہی وہ مخلوق ہے کہ جو ساری کائنات پر تصرف جما سکتا ہے -

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

فرشتوں نے کہا - کیا آپ خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں زمین میں اُسے جو اس میں فساد کرے گا - اور خونریزی کرے گا -

ظاہر ہے - کہ فرشتوں نے دیکھا - کہ آدم مٹی کے نچوڑ سے طیار کیا گیا ہے - مٹی نرم بھی ہے سخت بھی ہے - انسان کے پیکر میں آگ بھی ہے - ہوا بھی ہے - پانی بھی ہے - وہ ۹۲ عناصر کا مجموعہ ہے - مٹی پانی سے گوندی گئی - زمین نے سورج کی شعاعوں کو جذب کیا - شعاع میں آگ ہے - حرارت ہے - اس نے ہوا کو جذب کیا - ہوا کا خاصہ ہے اُڑنا آگ کی عادت ہے جلانا - پانی کا جھکاؤ ہے بہاؤ کی جانب - خاک کا شیوہ ہے جماؤ ٹھہراؤ - توجوان کا مجموعہ ہوگا - ضروری ہے کہ وہ متضاد صفات کا مالک ہو - لازمی ہے کہ وہ ہر ایک جذبے کو اتنا دبائے - کہ اُسے زیادہ بڑھنے نہ دے - اور اس سے حسب ضرورت کام لے - جب انسان تصرّف پر قادر ہے - تو وہ قُدرتاً اپنے اختیارات کو کام میں لائے گا - اسے خوراک کی ضرورت ہے - اس کے لئے کھیتی باڑی لازمی ہے - لابدی ہے کہ وہ زمین کے ٹکڑوں کو اُلٹائے پلٹائے - ہل چلائے زمین جوتے - درختوں کو کاٹ کر آلاتِ زراعت بنائے - معدنیات

کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے - اس نوعیّت کے فساد کے بغیر تو کوئی بناؤ ہو ہی نہیں سکتا - اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

گفت رُومی ہر بنائے کُہنہ کآباداں کنند
مے نہ دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

ہر پُرانی بنیاد کو گراتے ہیں - پھر نیا مکان تعمیر کرتے ہیں - اِنسان کپڑا سیتا ہے - کپڑے کی تراش خراش کے بعد ہی لباس طیار ہوتا ہے یہ بخیہ یہ قطع بُرید وہ فساد ہے کہ جس کے بغیر کوئی بناؤ نہیں ہو سکتا - درزی اس کے بغیر کوئی کپڑا سی ہی نہیں سکتا - ہزار ہا جراثیم کی ہلاکت کے بغیر رُوئی کا کوئی پودا زمین سے علٰحدہ نہیں کیا جا سکتا - سینا کیا ہے - کپڑے کے جگر میں چھید کرنا - سُوئی چبھونا -

اِنسان کو سنوارنے کے لئے کپڑے کو بگاڑا اور پھاڑا جاتا ہے - انسان کی زینت اس فساد میں ہے - اِنسانوں سے پہلے جنّات آباد تھے - وُہ آگ کی مخلوق تھے - اُن کی سرشت میں فساد تھا - فرشتوں نے جنّات سے اِنسان کا قیاس کیا - یہ قیاس مع الفارق تھا -

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط

ہمارا حال یہ ہے - کہ ہم تیری تعریف و توصیف کی تسبیح کرتے رہتے ہیں - اور تیرے تقدس کا اظہار کرتے ہیں - تیری تقدیس پکارتے ہیں -

فرشتوں کی یہ التماس، اُن کا یہ بیان خدانخواستہ کوئی شوخ چشمی نہیں - بے ادبی نہیں - گستاخی نہیں - وہ نیکی کا پیکر ہیں - فرمانبردار ہیں

وفا شعار ہیں۔ اُن سے کسی شکایت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ان کا علم کسبی نہیں۔ سرتاپا وہبی ہے۔ ان کی گذارش یہ تھی کہ نیابت کا فریضہ بھی ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ ہم پوری خوش اسلوبی سے اسے سرانجام دیں گے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اللہ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے۔

فرشتوں نے یہی دیکھا کہ اِنسان فساد پھیلائے گا۔ خوں ریزی کرے گا۔ اُنہیں کیا معلوم کہ وہ کن خوبیوں کا مالک ہے۔ اس کی صلاحیتیں کیا ہیں۔ نیابت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں۔ خلافت کی قبا اسی کے بدن پر راست ہوسکتی ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ فرشتوں کے خصائل کیا ہیں؟ ان کی اہلیّت کا عالم کیا ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو سکھایا جس کے لئے وہ موزوں تھے۔ انہیں کسی مدرسہ میں نہیں جانا۔ کوئی کالج نہیں بنانا۔ ان میں تدریس و تعلیم و تربیت کا سلسلہ نہیں ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اللہ ہر نیکی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اُس کے اندر بُرائی کا گذر نہیں۔ اس کے عدل نے جس کو جو کچھ دیا۔ مناسب دیا۔ نامناسب کام ظلم ہے اور اللہ ظلم و جہل سے بری ہے۔ پاک ہے۔ وہ فرشتوں کو اِطلاع دئے بغیر آدم کی نیابت کا اعلان کرسکتا تھا۔ اسے نیابت عطا کرسکتا تھا۔ مگر اس کے کرم نے اس کی شان مخلوق نوازی نے یہی بہتر سمجھا کہ فرشتوں کو بتلا دے جتلا دے۔ اب اس نے ایک اور کرم کیا۔ فرشتوں پر یہ واضح کیا۔ کہ خلافت کی اہلیّت آدمیّت میں ہے ملکیّت میں نہیں ہے اگر ہوتی تو اللہ تعالےٰ ملکیّت کو انداز خلافت سکھاتا۔

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد ہے اگر تو کسی قابل ہو جائے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

کہا تو یہ کہ فرمایا۔ "کہ میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے" اور کیا یہ کہ آدم کو نام سکھا دیئے کُل کے کُل

اللہ ہی جانتا ہے۔ کہ اس نے آدم کو کیا سکھایا۔ اتنا ظاہر ہے۔ کہ اسے کل نام سکھا دِئے۔ "ھا" بڑا معنی خیز لفظ ہے۔ یہ کہنا بھی ٹھیک ہے۔ کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنے کل نام سکھا دیئے۔ اللہ تعالےٰ "غفور الرّحیم" بھی ہے۔ وہ بخشش کرنے والا ہے۔ اس کا ظہور جبھی ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی بھول۔ خطا۔ لغزش۔ گناہ کا مرتکب ہو۔ لازمی ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو۔ کہ جو اپنی جان پر ظلم کرے۔ ظلم ایک نوع ہے۔ ہلکی سی بھول سے لے کر شرک تک اس میں داخل ہے۔ قرآن واضح کریگا کہ آدم سے ہلکی سی بھول ہوئی۔ لیکن اس کی شانِ آدمیّت نے اسے اتنا گراں جانا۔ کہ اس کے لئے بصدق دل مغفرت طلب کی۔ اور اس کی اولاد میں سے وہ بھی ہیں۔ جنہوں نے شرک کیا اور اس پر اکڑے۔ قرآن میں ہے۔ کہ حضرت آدمؑ اور حوّاؑ نے کہا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو ہم کو معاف نہیں کرے گا۔ اور ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے

آؤ قرآن سے پوچھیں "خاسِرین" نقصان اُٹھانے والے کون ہیں؟

تیسویں پارے میں ہے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

زمانہ شاہد ہے۔ کہ عام انسان گھاٹے میں ہیں۔ مگر وہ انسان گھاٹے میں نہیں۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ اور حق کی وصیت کی۔ اور صبر کی وصیت کی۔

دُنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے۔ کہ انسان دو قسم کے ہیں۔ کامیاب اور ناکام (خائب و خاسر) کامیاب وہ ہیں۔ کہ جو ایمان کی دعوت قبول کرتے ہیں۔ اچھے کام کرتے ہیں۔ اور سچائی کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور اس اشاعت میں جو تکالیف رُونما ہوں ان کا مقابلہ صبر و سکون سے کرتے ہیں ناکام وہ ہیں۔ کہ جو ایمان سے عاری ہوتے ہیں۔ جو نیک کام نہیں کرتے۔ جو صداقت کی راہ سے گریزاں ہوتے ہیں۔ بدی پھیلاتے ہیں اور صبر و سکون سے گھبراتے ہیں۔ آدمؑ اور حوّاؑ کی دعا میں یہ ہے۔ کہ اے اللہ ہمیں مغفرت و رحم کے دامن میں ڈھانپ لے۔ اگر ایسا نہ ہُوا۔ تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جس آن آدمؑ و حوّاؑ کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ وہ کامیاب ہستیوں میں سے تھے۔ تاہم یہ ہے۔ کہ انسان خُدا کا جو کرم کسی بھول یا گناہ کے بعد طلب کرتا ہے۔ یا یہ کہ اس کے بعد وہ جس مغفرت یا رحم کا طالب ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے طالب نہیں ہو سکتے

وہ بھول اور لغزش کے نفسیاتی اثرات سے آگاہ نہیں۔ جو کسی پر فریفتہ نہیں وہ درد آشنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کے بے شمار افعال ایسے ہیں۔ جن کا واسطہ اُس کی شان مغفرت سے ہے۔ اور بڑے کمالات ایسے ہیں۔ جو توبہ و اظہار ندامت کے بعد ہی میسّر آتے ہیں۔ جب فرشتوں میں اس کی صلاحیت نہیں۔ تو وُہ کیوں کر جان سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اسمائے مبارکہ غفور الرَّحیم تَوّاب وغیرہ کا مفہوم کیا ہے۔ وہ ان کے لحاظ سے نیابت کا فریضہ کیوں کر سرانجام دے سکتے ہیں۔ جب اُن میں بھول کا مادہ ہی نہیں۔ تو انہیں وہ "اسم" (نام) کیوں کر سکھایا جا سکتا ہے جس کا ربط و ضبط بھول چوک کو معاف کر دینے سے ہے۔ آدمؑ کی اولاد ہوگی۔ آدمؑ کے لئے حوّا ضروری ہے۔ کسی فرشتے کے لئے اولاد اور بیوی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرشتے کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اولاد دے۔ شیطان کسی فرشتے کو ورغلا یا پھسلا نہیں سکتا۔ کسی فرشتے کو یہ ضرورت کیوں کر محسوس ہو سکتی ہے۔ کہ وہ "اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجِیْم" کہے یا یہ دُعا کرے کہ اللہ اسے شیطان کی زد سے محفوظ رکھے۔ گائے گوشت نہیں کھا سکتی اس لئے وہ گوشت کی لذّت سے آشنا نہیں ہو سکتی۔ شیر پراٹھے کی لذّت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ایک رند مشرب زاہد سے کہتا ہے۔

لُطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے افسوس تو نے پی ہی نہیں

مگر زاہد پی تو سکتا ہے۔ فرشتے بیں بیوی۔ اولاد بھوک۔ پیاس وغیرہ ہزار ہا مراحل حیات کا نفسیاتی احساس ہی نہیں۔ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ کے وہ نام کیوں کر سکھائے جاتے۔ کہ جن کا ان سے نفسیاتی ربط نہیں۔

ہے۔

اِس سلسلے میں یہ بھی غور طلب ہے۔ کہ جب اِنسان کو زمین میں خلیفہ بنایا گیا۔ تو لازمی تھا۔ کہ اسے زمین میں رہنے سہنے کے ڈھنگ بھی بتائے جاتے۔ ظاہر ہے۔ کہ اِنسان مدنی بالطبع ہے۔ وہ آپس میں مِل جُل کر رہنے والی مخلوق ہے۔ اس کی ضروریات گوناگوں ہیں۔ اِس کے جھگڑے قضیئے گوناگوں ہیں۔ سب سے بڑی ضرورت تو بولنے کی ہے سوچنے کی بات ہے۔ انگریز کے بچے کو جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہ پُکارتا ہے۔ "واٹر"۔ طفلِ عرب کہتا ہے "ماء"۔ ہندی "جل" سے اپنا مطلب نکالتا ہے۔ ایرانی "آب" مانگتا ہے اور پاکستانی "پانی"۔ غور طلب امر یہ ہے۔ کہ جب بھی دُنیا میں اِنسان پیدا ہُوئے۔ اُن کو اپنے دِل کی بات زبان پر لانے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اُنہوں نے ضروریاتِ حیات کے لئے کیوں کر وہ الفاظ زبان سے نکالے۔ جو سارے زمانے میں رائج ہیں۔ علمی دُنیا کا یہ سوال بڑا ہی معرکۃ الآرا ہے۔ کہ اِنسان نے بولی یا زبان کیوں کر بنائی کہا جاتا ہے۔ کہ یہ معمہ ناقابلِ حل ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ کہ یہ معمہ صاف ہے۔ سچ تو یہ ہے ؎

جو فلسفیوں سے حل نہ ہُوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وُہ راز اِک کملی والے نے بتلا دیا چند اِشاروں میں

ستائیسویں پارے میں ہے۔

اَلرَّحْمٰن — اللہ وہ ہے کہ جس نے اِنسان کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا سامان پیدا کیا۔

عَلَّمَ الْقُرْآن	رحمان نے قرآن سکھایا
خَلَقَ الْاِنْسَان	اُس نے اِنسان کو پیدا کیا
عَلَّمَہُ الْبَیَان	اُس نے اِنسان کو بیان سکھایا

حضرت آدمؑ ابوالبشر ہیں - اِنسانوں کے باپ ہیں - اُن کو جن اشیاء کی ضرورت تھی - اللہ تعالےٰ نے اُنہیں اُن کے نام بتائے - ان کے خواص جتلائے - قرآن نے واضح کیا - کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو رُوحانی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنے اسمائے مقدسہ - اور ضروریات جسمانی کے لئے اشیاء کے اسما سکھائے -

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ	پھر اللہ تعالےٰ نے اِن ناموں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا - بتلاؤ ان کے نام اگر تم سچّے ہو -

واضح کیا - نیابت کے لئے اہلیّت و صلاحیّت مطلوب ہے - اہلیّت یہ ہے - کہ نیابت کے لئے جن اشیاء کی ضرورت ہے - لازمی ہے - کہ ان کی تاثیرات اور خصوصیات کا علم ہو - فرشتوں کو وہ مسمّیات دکھائے گئے جن کے نام آدمؑ کو اس لئے آتے تھے - کہ وہ ان کے اثرات اور اُن کے خصائص کو جانتے تھے - ایک نمائش گاہ میں مختلف چیزیں ہوتی ہیں - جو انہیں جانتا ہے اِس بنا پر جانتا ہے - کہ وہ ان کی خوبیوں سے آگاہ ہے اور ان کے نام پہچانتا ہے -

فرشتوں کا خلوص قابلِ داد تھا - لیکن نیابت کے لئے محض خلوص و ارادت ضروری نہیں تھی - علم لازمی تھا - امریکہ اور یورپ والے

عقیدہ و ایمان کے معیار سے ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ فرشتہ خصلت ہونے کے لحاظ سے ہم اُن سے پاکیزہ تر اخلاق کے مالک ہیں ہم مقابلۃً زیادہ نمازی ہیں۔ خدا کی تمجید و تقدیس میں ان سے بہت بڑھ کر منہمک ہیں۔ یہ نیکیاں یہ خوبیاں بلاشبہ قابلِ قدر ہیں۔ اگلی دُنیا میں اس کی خاص قدر و منزلت ہے۔ رنج ہے کہ حقائق اشیاء میں وہ ہم سے زیادہ باخبر ہیں۔ ہم کعبہ مکرمہ کے ارادت کیش بہت ہیں۔ یہ وصف سعادت کا باعث ہے۔ لازمی تھا۔ کہ ہم ان معدنیات اور تیل کے اِن چشموں سے بھی ایسے ہی باخبر ہوتے۔ کہ جن کے زیادہ علم کے باعث اغیار و اجانب ہماری دولت سے ہم سے زیادہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ ہمارے بزرگ فرشتہ خصلت بھی تھے۔ اور دنیوی اشیاء کے حقائق سے بھی زیادہ آگاہ تھے۔ ہمیں علومِ دنیوی و فنونِ دنیوی کی طرف پُورے طور پر متوجہ ہونا چاہیئے۔ یاد رہے عربی کا لفظ "صدق" اپنے اطلاق میں اُردو کے لفظ سچائی سے زیادہ وسیع زیادہ عمیق اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔ لغت میں ہے۔ الصدق ھو الصواب امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔ قد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اے فرشتو! اگر تم میں نیابت و خلافت کے لئے قرار واقعی صلاحیّت و مناسبت و موزونیّت ہے تو تم ان ناموں کو بتا سکتے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو تم پر خود واضح ہو جانا چاہئے۔ کہ تم خلیفہ نہیں ہو سکتے۔ فرشتے گویا ہوئے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝	آپ کی ذات میں کوئی نقص نہیں ہم میں اس علم کے سوا جو آپنے ہم کو سکھایا اور کوئی علم نہیں

بلاشبہ تو بڑے علم والا اور بہت
بڑی حکمت والا ہے۔

کیا خُوب کہا۔ تونے ہمیں وہ سکھایا جس کے لئے ہم موزوں ہیں۔
جو نہیں سکھایا اس کے لئے ہم مناسب ہی نہیں۔ جہاں تو علیم ہے وہاں
حکیم بھی ہے۔ حکمت کا تقاضا یہی ہے۔ کہ جو جس کے مناسب ہو
اُسے وُہی دیا جائے۔

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ

اللہ نے کہا۔ اے آدم تبلا دو
انہیں ان کے نام۔ پھر جب آدم
نے انہیں ان کے نام بتا دئے
تو فرمایا۔ میں نے تم سے کہا نہ تھا
میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی
ہوئی بات کو جانتا ہوں۔

اِس سے عیاں ہُوا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے علم کا مظہر انسان ہے۔ اللہ
نظر نہیں آتا۔ اِنسان امُور غیبیہ اللہ تعالےٰ سے سیکھ کر بتاتا ہے۔ جو اس
کا ثبوت ہوتا ہے۔ کہ اللہ جانتا ہے۔ اور اسی نے نبیؐ کو علم عطا کیا ہے
خلافت و نیابت کے انصرام و اہتمام کے لئے جس قدر تعلیمی نصاب
تھا وہ آدم کو سکھایا گیا۔ بلا نیّت تشبیہ محض لغرض توضیح مقصود یہ عرض
کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس طرح سرکاری ملازمت کے مناصب پر کوئی شخص اس
وقت تک مامور نہیں کیا جاتا۔ جب تک وہ اس کا کورس نہ پڑھ لے۔ اور
اس کا اِمتحان پاس نہ کرلے۔ آدم کے لئے نصاب تعلیم اسماء تھے۔
اور انہوں نے اس نصاب کو پڑھ کر کامیابی حاصل کی۔ زاں بعد خلافت

کے منصب پر فائز ہوئے

دیلمی نے "مسند فردوس" میں یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ میری اُمت آب و گل کی حالت میں دکھائی گئی۔ اور آدمؑ کی طرح اس کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی گئی۔ اس سے واضح ہؤا۔ کہ اللہ نے اِنسان کو الہام طبعی کے ذریعے بولنا سکھایا۔ گویا ہمارے جبلّی (پیدائشی) خصائص اور فطری قوٰی میں سے بعض ایسے ہیں۔ جن کے ماتحت ہم کو فطرتاً بولنا آیا۔ ایسے ہی بولی سکھانے والے کے وجود کا تصوّر بھی وجدانی ہے۔ فطری ہے۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ — اور میں جانتا ہوں۔ اسے جسے تُم ظاہر کرتے ہو۔ اور اِسے جسے تُم چھپاتے ہو۔

آدمؑ مسجُودِ ملائکہ

قرآن کا بیان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جہاں فرشتوں کو یہ اِطلاع دی کہ وہ ایک نائب بنانے والا ہے۔ وہاں یہ حکم بھی دیا

"فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ — اے فرشتگان جب میں اس کے وجود کو سنوار لوں اور اُس کے اندر وہ رُوح داخل کردوں جو اس کے اپنی شایانِ مخلوقہ شان ہے۔ تو تم اُس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔"

یہ حکم تھا۔ اس کی خلاف ورزی ناممکن تھی۔ فرشتے اپنی سرشت کی

رُو سے فرمانبردار ہیں۔ صرف اُن کو انتظار کرایا گیا۔ کہ جب ایسا ہو جائے۔ تو یُوں کرنا۔ ظاہر ہے کہ انتظار میں ایک خاص گونہ اضطراب ہوتا ہے۔ بے چینی ہوتی ہے۔ نسلِ اِنسانی کا تجربہ یہ ہے۔

تیغ ہندی و خنجر رُومی
نکند آنچہ انتظار کُند

جو کاٹ اِنتظار کی دھار میں ہے۔ تلوار اور خنجر کی دھار اور مار میں نہیں ہے۔ داغ لکھتے ہیں۔

غضب کیا ترے وعدے پر اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

فرشتے آدمؑ کے ہیولے کی جانب شاخِ نرگس کی مانند ٹکٹکی باندھے کھڑے تھے۔ وہ نفخِ رُوح کے منتظر تھے۔ عجیب بات تھی۔ لمبی عمر والے ملائکہ کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ کُہنہ مشق اور سالخوردہ لوگ ایک بچّہ نوزائیدہ کو اپنے سے برتر و بہتر تصور کریں۔ آدم خاک کا پُتلا تھا۔ فرشتے نورانی مخلوق تھے۔ ان میں ابلیس بھی تھا۔ جو ناری تھا۔ جنؑ کی اصل نُور سے تھی۔ جس کا وجُود نار سے تھا۔ ان کو کہا گیا۔ کہ وہ اس کو مسجُود بنائیں۔ جو پیکرِ آب و گل ہے۔ فرشتوں کی نظر اس پر ضرور تھی۔ کہ اس آدم کے جسم کی نوک پلک کو قدرت خاص طور پر سنوار رہی ہے۔ اس کا تسویہ ہو رہا ہے۔ اس کا دل خاص نوعیت کا ہے۔ اس کا دماغ خاص قسم کا ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیتیں ہیں۔ کہ وہ خاص رُوح کا حامل ہو سکتا ہے۔ نُطفہ کے لئے ایک "قرارِ مکین"، لازمی ہے۔ تو رُوح ایسے مکین کے لئے خاص مکان بھی لابدّی تھا۔ خاص رُوح خاص علم کے لئے موزوں تھی۔ علم ہی تھا جس نے ملائکہ پر ہویدا کر دیا۔ کہ

آدم نیابت کے لائق ہے۔ فرشتے علم کے پروانے بن گئے۔

آدمؑ کی سرگذشت کا قابل صد ہزار توجہ جزو یہ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا۔ آدم کے آگے جھکو۔ پس فرشتے جھک گئے۔ مگر شیطان نہ جھکا۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

شیطان نے انکار کیا۔ اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

یہ زمانہ وہ تھا۔ جب ملائکہ وجنّات ملے جُلے رہتے تھے۔ نوروناؔر میں مجانست ظاہری ہنوز قائم ہے۔ خلافت آدمؑ کے قبول کرنے والے نورانی وجود تھے۔ جو خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ علم کے قدردان تھے۔ رُوح انسانی کی عظمت ان پر واضح تھی۔ یہ وصف خاص شان رکھتا ہے۔ فرشتے اس سے متصف تھے۔ ابلیس ذات پات کا پرستار تھا۔

اللہ تعالےٰ نے نافرمان شیطان سے پُوچھا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَنْ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

اے شیطان تجھے کون امر اس سے مانع ہُوا۔ کہ تو اس کی تعظیم نہ کرے۔ کہ جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

الفاظِ قرآنی ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اِنسان کا جسم خاص تھا۔ اس کی رُوح خاص تھی۔ اس کا علم خاص نوعیت کا تھا۔ اس کی شان خاص تھی۔

شیطان نے جواب دیا۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔

نَارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا۔ اور اُس (آدمؑ) کو مٹی سے پیدا کیا۔"

شیطان نے تسلیم کیا۔ کہ وہ خُدا کی مخلوق ہے۔ مگر یہ کہ وہ ناری ہے نار کا رُخ جانب اعلیٰ ہوتا ہے۔ میرا جوہر عالی ہے۔ آدمؑ مٹی سے ہے مٹی طبعاً مائل بہ پستی ہے۔ اس کا جوہر سافل ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعلےٰ ادنےٰ کے سامنے جھک جائے۔

شیطان نے آدمؑ کے علم پر نظر نہ کی۔ اُس نے یہ نہ جانا۔ کہ اس کو قُدرت نے خاص طور پر بنایا ہے۔ اس کا جسم مخصُوص انداز کا ہے۔ اس کی رُوح بے مثل نوعیت کی ہے۔ اس نے کہا تو یہ کہا۔ کہ آگ مٹی سے بڑھ کر ہے۔ عیاں ہوتا ہے۔ کہ شیطان کا علم سطحی رنگ کا تھا۔ چار چیزیں دُنیا میں خاص شہرت رکھتی ہیں۔ پانی۔ مٹی آگ۔ ہوا۔ ہندوؤں کے مایۂ ناز مفکر سوامی دیانند نے اپنی کتاب رگوید آدی بھاشیہ بھومکا (شرح وید) میں لکھا ہے۔ کہ پرمیشور (خدا) نے پرتھوی (زمین) کے بنانے کے لئے پانی سے رس کو لے کر مٹی کو بنایا اور اسی طرح اگنی (آگ) کے رس (عطر۔ خلاصہ۔ ست) سے پانی کو پیدا کیا۔ اور ہوا کو آکاش (آسمان) اور آکاش کو پرکرتی (مادے) اور پرکرتی کو اپنی قُدرت سے پیدا کیا۔ تازہ ترین تحقیق سائنس کا نچوڑ یہ ہے۔ کہ دُنیا بنی ہے قانُون (LAW) سے۔ قانون نے حرکت (ENERGY) کو پیدا کیا۔ حرکت سے ایثری ذرات (ایتھر) پیدا ہوئے۔ ایتھر کی سیاہ نورانی دھاریوں سے نیبولا کا ڈھانچہ طیار ہُوا۔ اس نے مثبت و منفی بجلی کی تخلیق کی۔ اس سے مادہ بنا۔ اور مادہ سے عناصر۔ ان عناصر سے جمادات۔ جمادات سے نباتات

اُن سے حیوانات اُن سے فرزندانِ آدم - اسلام نے کہا گہ قانون کے لئے مقنن - قدرت کے لئے قدیر لابدی ہے - ایک ہی ہستی ہے - جس کو زیب دیتا ہے کہ یہ کہے -

خَلَقَ کُلِّ شَیءٍ — اُس نے جسے چاہا پیدا کیا

ھُوَ علیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیْر — وہ اپنی ہر چاہی ہوئی چیز پر قادر ہے -

آگ اور مٹی

مقام غور ہے کہ کیا وید کا بقول دیانند یہ دعویٰ صائب ہے - کہ مٹی پانی سے - اور پانی آگ سے - آگ ہوا سے اور ہوا فضاء سے یا سماء سے پیدا ہوئی - کیا شیطان کا یہ اِدّعا معقول ہے - کہ آگ مٹی سے بہتر ہے -

علم کیمیا کے جاننے والے تجربات و مشاہدات سے بتاتے اور دکھاتے ہیں - کہ آسمان کی ہوا زمین کو گھیرے ہوئے ہے - اسے فضائی ہوا (ATMOSPHERIC AIR) کہتے ہیں - یہ ہوا لچک دار ہے سیال ہے - یہ ہوا دو گیسوں سے مرکب ہے - ایک کا نام ہے آکسیجن دُوسری کو کہتے ہیں - نائٹروجن - آکسیجن میں نہ رنگ ہے نہ بُو ہے نہ ذائقہ ہے - وہ نائٹروجن کی نسبت زیادہ وزنی ہے - حیوانات کی جان کے لئے (OXYGEN) ضروری ہے - نائٹروجن بھی ایک گیس ہے - اس میں بھی نہ رنگ ہے نہ بُو ہے نہ ذائقہ ہے - یہ زیادہ

ثبک ہے۔ اس میں نہ آگ جل سکتی ہے۔ اور نہ کوئی جاندار زندہ رہ سکتا ہے۔

مٹی میں کُل ۶۳ عنصر ہیں۔ وہ پانی سے نہیں بنی۔ اس لئے پانی صرف دو عناصر سے بنا ہے۔ ہوا بنی ہے دو گیسوں سے۔ آگ ہوا سے نہیں بنتی۔ بلکہ جب دو چیزوں میں جلد جلد امتزاج کیمیاوی دیا جاتا ہے۔ تو آگ پیدا ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ کیمیاوی و علمی لحاظ سے مٹی آگ سے افضل ہے۔ آگ مٹی سے بڑھ کر نہیں۔ شیطان کا دعوےٰ باطل ہے۔

سوامی دیانند یا ویدک تحقیق خلافِ سائنس ہے۔ خاکی اِنسان کسی ناری یا ہوائی یا نوری یا مادی مخلوق سے کمتر نہیں۔ وہ واقعی اشرف المخلوقات ہے۔

اِنسان کی عظمت کا راز

انرجی یا حرکت کے اِعتبار سے بھی انسان اُونچے مرتبے کی مخلوق ہے غور کرنے سے عیاں ہو سکتا ہے۔ کہ کائنات یا نیچر میں جمادات۔ نباتات حیوانات اور انسان کے پست و بلند درجات میزانِ "حرکت" میں تول کر مقرر کئے گئے ہیں۔ حرکت ہی کی کسوٹی نے انسان کے حق میں یہ کہا ہے کہ وہ سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ جمادات (پتھر کنکر ہیرے لال و جواہر) نباتات و حیوانات کی مانند حرکت نہیں کر سکتے۔ نہ بڑھتے ہیں۔ نہ پھیلتے ہیں۔ نہ پھلتے ہیں۔ نہ پھولتے ہیں۔ نہ اُچھلتے ہیں نہ کودتے

ہیں۔ کوئی انہیں چاہے تو ماتھے کا جھومر بنا لے۔ اور کسی کی خواہش ہو تو اپنی دہلیز کا پتھر بنا دے۔ فلسفی نیوٹن کی حرکت کی رُو سے پتھروں میں از خود اِدھر اُدھر ہونے۔ سرکنے پھیلنے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہوتی اس لئے زندگی کے عمل میں اُن کا مقام پست ترین ہے۔ بعض اہلِ علم مدّعی ہیں کہ طبقاتِ ارض پہاڑ یا دیگر خاص جمادات اپنی حالت کو بدلنے پر ایک حد تک قادر ہیں۔ مگر وہ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ان میں جو ہلکی سی تبدیلی ہوتی ہے وہ صدیوں کے بعد ہوتی ہے۔ اور فرزندانِ آدم اُسے بصد مشکل محسوس کر سکتے ہیں۔ نباتات بہ مقابلۂ جمادات زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اور پھلتے ہیں پھولتے پھیلتے ہیں۔ سرسبز ہوتے ہیں۔ خوشبو دیتے ہیں مہکتے ہیں۔ یہ خوبیاں جمادات میں کہاں! حیوانات کا مقام دونوں سے اُونچا ہے۔ وہ زیادہ حرکت کر سکتے ہیں۔ ان کے پھیلاؤ کا دائرہ وسیع تر ہے۔ وہ سمندر کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ فضا میں اُڑ سکتے ہیں۔ جو بات چرند پرند کو میسّر ہے۔ نباتات کی قسمت میں کہاں ہے۔ انسان کی حرکت اِرادی اسے برتر ثابت کرتی ہے۔ اِس کا جسم پتھر وغیرہ جماد کی مانند اُچھالا اور اُٹھایا جا سکتا ہے۔ گرایا جا سکتا ہے پھینکا جا سکتا ہے۔ اس کا قد نباتات کی طرح بلند رہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر آ جا سکتا ہے۔ وہ دوڑ سکتا ہے۔ گا سکتا ہے۔ اس کی عقل، اُس کا دماغ بڑا بلند پرواز ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ کہ انسان چاند سُورج ہَوا برّ و بحر کو مسخر کر سکتا ہے۔ وہ جنّوں اور فرشتوں سے بھی زیادہ ذہین ہے فطین ہے وہ منطقی ہے، شاعر ہے مفکّر ہے۔ یہ کمالات ملائکہ و جنّات میں نہیں ہیں ڈاکٹروں نے ثابت کیا ہے کہ جب انسان رحمِ مادر میں ہوتا ہے۔ تو اس کا ننھّا منّھا جسم درجہ بدرجہ کئی ادنےٰ حیوانات کی شکل قبول کر لیتا ہے۔

آخرکار اِنسان کی صُورت میں جلوہ پذیر ہوتا ہے۔ اِنسان کا جسم۔ اُس کی رُوح سب کی اوّل مٹی ہے۔ اس کے جسد میں زیادہ حِصّہ خاک کا ہے اِس لئے وہ خاکی کہلاتا ہے۔ رحم مادر میں اس کے جتنے اعضا بنتے ہیں۔ ذرّاتِ خاکی کا کرشمہ ہوتے ہیں۔ خلیات دماغی بھی اسی کا شاہکار ہیں۔ اس کی مٹی خلاصۂ کائنات ہے۔ فلزات۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کا نچوڑ ہے۔ انہی سے اس کے وجود میں جذبات حیوانیہ پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آدم اور اولادِ آدم کی تربیت فرمائی۔ اِنسان کے اندر فطرتاً نیک و بد کی تمیز پیدا کی۔ ارشادِ قرآنی ہے۔

اَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا — اِنسان کو الہامِ فطری کے طور پر بنایا گیا۔

کہ یہ چیز اچھّی ہے یہ بُری ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے لئے شریعت تجویز کی گئی۔ حیوان کے لئے کوئی مذہب نہیں۔ فرشتوں کے لئے کوئی حساب کتاب نہیں۔ آدمؑ کو جنّت میں رکھا گیا۔ اُس کے لئے حوّاؑ پیدا کی گئی۔ آدمؑ کے لئے مکان کا اِہتمام کیا گیا۔ بیوی بنائی گئی۔ اسے کہا گیا کہ جو پھل چاہے کھائے لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جائے۔ اسے ذمہ دار مخلوق بنایا اور ٹھہرایا گیا۔ یہی اس کی عظمت کا موجب ہے۔

نفسِ اِنسانی

حقیقتِ انسانی کو اگر منزل قرار دیا جائے۔ تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس مقصود تک پہنچنے کے راستے دو ہیں۔ فطرتِ انسانی کا راستہ۔ نفسِ اِنسانی

کاراستہ - پہلے حصے میں اس کی ظاہریت پر زور دیا گیا ہے - دوسرے میں اس
کی باطنیت کا راز عیاں ہوتا ہے - اہلِ سائنس (علومِ طبعیات - علم کیمیا -
علم نباتات - اور علم ہیئت وغیرہ کے ماہرین) نے اُس کی خارجیت وظاہریت
کا خوب مطالعہ کیا ہے - ماہرین نفسیات - دانشورانِ یونان وفرنگ - عالمانِ
رُوحانیت - اصفیا نے اِنسان کے باطن پر خاص نگاہیں ڈالی ہیں - انبیاءؑ کو اس
کی ماہیت سے خُود رب العزّت نے آگاہ کیا - ان کا علم یقینی ہے قطعی ہے
حتمی ہے - اولیاء کا تجربہ ہے - مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ
رَبَّهٗ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا - اُس نے خُدا کو پہچان لیا -
اِنسان جمادات کو جمادات سے بڑھ کر جانتا ہے - نباتات کے جو خواص
اِنسان جانتا ہے - نباتات کو بھی اس کا علم نہیں - حیوانات کو اپنی نسبت
وہ آگہی نہیں - جو حضرت اِنسان کو ہے - فرشتوں کا علم اس کے سامنے
وہی حیثیت رکھتا ہے کہ جو ایک مبتدی طالب علم کی ہستی پروفیسر کے سامنے
ہے - وہ خود شناس ہے - وہ اپنے آپ کو خوب جانتا ہے - اِس لئے
اُس کے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا ہے - کہ وُہ خُدا پر ایمان لائے - زمین آسمان
فضا کی تمام چیزوں کو اپنا محکوم اور تابع جانے - فرشتے بڑے بلند پایہ تھے
جب اُنہیں اِنسان کے سامنے جھکا دیا - تو اگر انسان پتھّر - شجر - حیوانات
سیارگان یا فرشتگان یا اِنسانوں میں سے کسی اِنسان کی عبادت کرے تو بڑا
ہی کافرِ نعمت ہے -

ایزدی قوانین فطرت میں بھی جاری وساری ہیں - اِس لئے جس نے
فطرت کے قوانین کا پتہ چلا لیا - اس نے بھی خدا کا پتہ چلا لیا -
فِطرت اللہ التی فِطرالنّاس   اللہ کا ایک خاص طریقِ کار ہے

عَلَیۡھَا لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ

اِنسان اسی طریق کار کا شاہکار ہے - خُدا کے طریق پیدائش کوئی تبدیلی نہیں - یہ قائم رہنے والا دین ہے -

ظاہر کو جاننے والے اور باطن کو جاننے والے ایک ہی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں - اور یہ کہ اِنسان مخلوقِ خُدا ہے - اس سے عیاں ہوتا ہے - کہ قرآن کے نزدیک سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں - ان میں اتّفاق ہے - پورا اِتّفاق ہے - اِنسان دو چیزوں سے مرکّب ہے - ایک اس کا جسم ہے دُوسرا اس کا نفس ہے - اس کا جسم عالمِ فطرت اور نفس عالمِ ارواح سے تعلّق رکھتا ہے - اس کا جسم عالمِ طبعی کے ضوابط کا پابند ہے - لیکن اس کا نفس یا رُوح اِن قوانین کی قید سے آزاد ہے - عالم فطری یا طبیعی کے قواعد بہت حد تک میکانکی ہیں - ان پر عِلّت و معلول کا سلسلہ حاوی ہے - لیکن عالم ارواح یا عالمِ نفوس کے پاؤں میں ان ضوابط کی بوجھل زنجیریں نہیں ہیں - انسان کے حواس جسمانی یا ظاہری پانچ ہیں - اور بڑے قدیم زمانہ سے بنام حواس خمسہ مشہور ہیں - انسان اپنے ہاتھوں سے، پیروں سے چیزوں کو چھو سکتا ہے - اور پتہ چلا سکتا ہے - کہ وہ معتدل ہیں یا سرد یا گرم - سخت ہیں یا نرم - وہ اپنی ناک سے اشیا کو سُونگھتا ہے - جان لیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ ان میں خُوشبو ہے یا بدبُو - وہ ناک کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا - کہ بدبُو کو خوشبو تصوّر کر - ہاں زبان کو مجبور کر سکتا ہے - کہ وہ خوشبو کو بدبُو اور بدبُو کو خوشبو کہہ دے - اپنے کانوں سے وہ آوازوں کو سُن سکتا ہے اور پتہ چلا سکتا ہے کہ وہ میٹھی ہیں یا تلخ - سُریلی ہیں یا بے سُری - وہ اپنی زبان سے چیزوں کو چکھ سکتا ہے - اور جان سکتا ہے کہ وہ کڑوی ہیں یا کسیلی یا پھیکی

یا شیریں۔ وہ اپنی آنکھ سے چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اُن کے حسن و جمال۔
اُن کی برائی اور اُن کے بھونڈے پن کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ وہ ایک حد
تک فاصلہ کا پتہ چلاتا ہے۔ اگر آلات میّسر آجائیں۔ تو ان حواس سے محیر العقول
کام لیا جا سکتا ہے۔ آلات کی ایجاد کا تعلّق علم سے ہے۔ جن قوموں کو یہ
آلات میّسر ہیں۔ ان کے دیکھنے سُننے ٹٹولنے بولنے چکھنے اور سُونگھنے میں خاص
فرق ہے۔ عرب۔ ایران۔ عراق۔ کویت وغیرہ قطعات میں امریکہ اور برطانیہ
کے رہنے والوں نے تیل کے چشمے دیکھ لئے لیکن ایرانیوں۔ عراقیوں وغیرہ کو
اُن کے دکھانے کے بعد نظر آئے۔ ان فی ذالک عبرۃً لاولی الابصار

اُوپر جن حواس خمسہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ بالذّات کوئی حیثیّت نہیں
رکھتے۔ یہ صرف وہ تاریں ہیں یا وہ کھمبے یا وہ ذرائع یا راستے ہیں۔ جن کی
وساطت سے خارجی فطرت کے اثرات دماغِ انسانی کے خلیّات (خانوں)
تک پہنچتے ہیں۔ دماغ ان کو مرتب کرتا ہے۔ ان کو نظم اور وحدت کی لڑی
میں پروتا ہے۔ ہر اثر آئندہ چل کر ایک سمجھ ایک عقل اور ایک جان پہچان
کی صُورت اختیار کر لیتا ہے۔ دماغ کے احکام بتاتے ہیں۔ کہ خدا کیونکر
کُن کہہ کر جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ دماغ جسمِ انسان میں ایک مرکز
کی حیثیّت رکھتا ہے۔ ہاتھ پیر زبان ناک اور آنکھ کے ذریعے تاثرات
دماغِ انسانی تک پہنچتے ہیں۔ اور دماغ ان سے متاثر و باخبر ہو کر اعضا
کے نام احکام صادر کرتا ہے۔ لطف یہ ہے۔ کہ دماغ ہمارا ہے لیکن
ہم پر ظاہر نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کسی کا راز ہے۔ فرض کیجیۓ۔
انسان آگ کے پاس کھڑا ہے۔ آنکھ بتاتی ہے کہ یہ آگ ہے
دماغ کہتا ہے اس سے پرے ہٹ جاؤ۔ ہاں اگر سردی ہے۔ تو

اسے سینک لو مگر اتنے قریب نہ ہو جاؤ کہ وہ تمہیں جلا دے۔ ہم غفلت کرتے ہیں۔ اس کی نہیں سنتے۔ اتنے میں ہماری انگلی جل جاتی ہے۔ جلنے کا اثر انگلی سے گذر کر آنکھ جھپکنے سے پیشتر دماغ تک جا پہنچتا ہے۔ دماغ فوراً احکام صادر کر دیتا ہے۔ کہ انگلی آگ سے ہٹاؤ۔ اس پر بہت جلد عمل کیا جاتا ہے۔ دماغ انسانی ایک مادی چیز ہے۔ اگر ہمیشہ ایسا ہوتا کہ انسان فوراً دماغی ارشادات کی تعمیل کرتا۔ تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ ہم دماغی احکام کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ اور یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ ہم اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی کریں۔ لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنی انگلی ہٹانا چاہتا ہے۔ اور وہ نہیں ہٹتی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دماغ بھی کسی کے تابع ہے۔ جو اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔ اس حاکم کو اہل علم ذہن یا نفس یا روح کہتے ہیں۔

اس نفس یا ذہن یا روح کے اپنے اعمال ہیں۔ ان اعمال کے اثرات انسانی جسم پر مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور جسمانی افعال کے اثرات نفس انسانی پر وارد ہوتے ہیں۔ جب انسان پر انتہا درجے کا رنج یا غم طاری ہوتا ہے۔ تو نہ اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس۔ اس کا ہاضمہ درست نہیں رہتا۔ اس کا معدہ بیمار ہو جاتا ہے۔ جب انسان کوئی نشہ آور چیز استعمال کرتا ہے۔ تو بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جسم اور نفس کا یہ عمل اور یہ اثر برابر جاری رہتا ہے۔ یہ سمجھنا بڑا دشوار ہے۔ کہ کس طرح نفس جو خواہش فکر امید ارادہ خیال وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ اور یہ چیزیں مادی نہیں ہیں اس کی نسبت یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ مادی ہے۔ جسم ایک مادی چیز ہے۔ اس میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ جو عموماً مادے

میں ہوتے ہیں - مادہ کی ایک صورت ہوتی ہے - حجم ہوتا ہے - وزن ہوتا ہے - مکان ہوتا ہے - یہی حال جسم کا ہے - مگر عشق، سوز، خیال ارادے کا کوئی مکان نہیں - کوئی وزن نہیں - کہا جا نہیں سکتا - کہ وہ بلحاظ مقدور اتنا اُونچا ہے - اتنا لمبا ہے - اتنا چوڑا ہے - یہ اتنا گہرا ہے - یہ بات سمجھ میں نہیں آتی - کہ نفس جسے مادی نہیں کہا جا سکتا - اس کا جسم سے کیا ربط ہے - ان میں ایک دُوسرے کے اثر میں کیوں کر تبدیلی پیدا ہوتی ہے - اس گورکھ دھندے کو سُلجھانے والے علمائے نفسیات (سائیکولوجسٹ) دو راہوں پر چل دیئے ہیں - ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں - کہ سب کچھ مادہ ہے دگر ہیچ دُوسروں کا بیان یہ ہے - کہ اصل چیز نفس ہے - مادہ کچھ نہیں - جو ظہور ہے سب اسی کا ہے - پُرانے زمانے کے یونانی دانشور دیمقراطیس نے کہا نفس ایک لطیف مادہ ہے - جسم کثیف مادہ ہے - ۱۹ ویں صدی میں سائنس نے دیمقراطیس کے سبق کو دُہرایا - اور اپنے دعوے کو اس حد تک پہنچایا - کہ نفس کے وجود تک کا انکار کر دیا - ڈارون نے کہا - کہ زندگی جمادات - نباتات اور حیوانات کی حدوں سے گُذر کر ترقی یافتہ انسان کی منزل پر پہنچ گئی ہے - نفس کوئی علاحدہ شے نہیں - فرانسیسی مادہ پرست لامارک نے کہا - کہ یہ جو تبدیلی اور ترقی رونما ہوئی ہے - اس کا سبب کہ ہر چیز اپنے ارد گرد کی فضا سے مطابقت پیدا کر لیتی ہے - وہ زندہ رہ جاتی ہے - اور جو اس میں ناکام رہتی ہے - وہ فنا کی گود میں چلی جاتی ہے - اس نے ہر تبدیلی اور ہر ترقی کو میکانکی عمل کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی - طبقات الارض کے جاننے والوں نے کہا - زمین کروڑوں سال سے موجود ہے - ہیئت والوں نے آسمان کو اتنا اُونچا ثابت کیا - کہ فکر کا پرندہ وہاں تک اُڑ کر نہیں جا سکتا

انہوں نے بتایا۔ کہ ہماری زمین ایک ننھا سا کرہ ہے۔ کائنات میں ایک ایک ستارہ اتنا بڑا ہے۔ کہ جس میں ہماری زمین جیسی لاکھوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ اس تمام فضا میں زندگی اتفاقی طور پر بس ایسے ہی بلا قصد یونہی وجود میں آگئی ہے۔ اس حادثہ کا کوئی سبب نہیں۔ اس کشتی کا کوئی ملاح نہیں۔ اس گاڑی کا کوئی ڈرائیور نہیں۔ اس طیّارے کا کوئی ہوا باز نہیں۔ اگر کوئی اس کا باعث ہے۔ تو وہ مادی تغیّر ہے۔ اور خود مادہ کے باعث زندگی میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دونوں گرگٹ کی مانند رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دن وہ وقت آئے گا۔ کہ سورج کی گرمی سردی بن جائیگی زمین جس کے اثر سے گرم ہوتی ہے۔ جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تو زمین بھی یخ ہو جائے گی۔ اِنسانی زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا۔ یہ بائیسکل چلتے چلتے رُک جائے گا۔ یہ جو چیز ایسے ہی ظاہر ہو گئی وہ ایسے ہی ختم ہو جائے گی۔ شعورِ اِنسانی بھی کافور ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ صرف ایک مادی اِتفاقی فتور کا ظہور ہے۔

پروفیسر واٹسن کہتے ہیں۔ سب کچھ درست سہی۔ مگر یہ درست نہیں کہ مادی افعال کے ذریعے اِنسان میں غور۔ فکر۔ اِرادہ اور شعور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ محبت۔ حسن بینی۔ ارادہ وغیرہ نفسی اعمال کی تشریح مادی محرکات کے ذریعے نہیں کی جا سکتی۔ مادہ مکان کا پابند ہے۔ لیکن اِنسان کا اِرادہ اس کا فکر۔ اس کا تصوّر۔ قطعاً کسی مکان کا پابند نہیں۔ وہ آزاد ہے۔ نفس اِنسان کا ایک مقصد ہے۔ وہ کسی اصُول کا ترجمان ہے۔ کسی مدعا کی زبان ہے۔ زندگی رُوح ہے۔ مادہ نہیں ہے۔ تمام زندہ چیزوں کا ایک نصب العین ہے۔ جس کا اثر زندگی کے نشو و نما پر پڑتا ہے۔ اِس لئے

لازماً پڑتا ہے۔ کہ ایک آزاد نفس ہے اور ضرور ہے۔ اِنسانی زندگی میں اُمید بھی ہے۔ مستقبل کا تصور بھی ہے۔ وہ اس کے لیئے خاص احتیاط کرتا ہے۔ تدبیریں کرتا ہے۔ اِنسان کو اپنی ماضی کی چیزوں کی بھی یاد رہتی ہے وہ تندرست ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں بھُولتا۔ کہ کبھی بیمار بھی ہُوا تھا۔ وہ ایسی بزم میں ہوتا ہے۔ جہاں نشاط و انبساط کے تمام سامان موجود ہوتے ہیں۔ وہ خوب ہنستا ہے۔ لیکن اس ہنسنے میں بھی اسے یہ بھی یاد ہوتا ہے کہ اس نے کبھی آنسُو بھی بہائے تھے۔ اس کی زندگی کے باجے نے کبھی غم کا راگ بھی چھیڑا تھا۔ اور کسی نوحہ نے اسے اشکبار بھی کیا تھا۔

جن حوادثات نے انہیں رُلایا تھا۔ وہ خارج میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یاد موجود ہے۔ یہ یاد کہاں ہے۔ نفس میں نہاں ہے۔ عیاں ہُوا۔ کہ اس حافظہ کا وجُود دلالت کرتا ہے۔ کہ نفسِ اِنسانی ایک علیحدہ وجُود ہے۔

محبت، عداوت، رحم و کرم، ہمدردی، غصّہ، خوف ایسے جذبات ہیں کہ ان کو انتہائی کوشش کے باوجود صرف خارجی محرکات کے ذریعے سمجھایا نہیں جاسکتا۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ جذبات کے باعث اِنسانی جسم پر خاص اثرات طاری ہوتے ہیں۔ لیکن جیسے درد کی کوئی لَے نہیں۔ اور نالہ پابندِ نَے نہیں ہوتا۔ ایسے ہی نفسِ اِنسانی اعمالِ جسمانی کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ ان سے الگ ہو کر بھی خیالات پیدا کرتا ہے۔ اعمال پیدا کرتا ہے اور اس کے اثرات جسم انسانی پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اِنسان ایک کتاب پڑھتا ہے۔ کتاب کے صفحے پر سیاہ لکیریں ہوتی ہیں۔ ان کالی لکیروں سے جو مادی خط دماغ پر پہنچ جائے گا۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کتاب کو پڑھ کر جو خیالات ہمارے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں

ان کی تشریح مادی لکیروں سے نہیں کی جاسکتی۔ ہم ان دھاریوں، ان لائنوں کو خاص معانی کا جامہ پہناتے ہیں۔ یہ جامہ مادی نہیں۔ یہ ایک نفسی فعل ہے۔ ذہنی عمل ہے۔ رُوح کا کیف ہے۔ ظاہر ہُوا۔ کہ ذہن نفس یا، رُوح ایک عمدہ وجُود ہے۔ وہ جسم کو اسی طرح استعمال میں لاتا ہے۔ جیسے ایک سوار اپنے گھوڑے کو یا موٹر ڈرائیور اپنی موٹر کو، ایک نے نواز اپنی بانسری کو۔

قدیم ہند کا ممتاز ماہرِ نفسیات ہیلا۔ یونان کا حکیم افلاطون۔ اس کا شاگرد رشید ارسطُو۔ نفسِ انسانی کو عمدہ وجود تسلیم کرتا ہے۔ یہی ارشاد امام غزالیؒ اور ان کے حریف ابن رشد کا ہے۔ جدید تحقیقات نے واضح کردیا ہے۔ کہ نفس بلاریب ایک علیحدہ آزاد وجود ہے وہ مادی نہیں ہے اس میں جذبہ ہے۔ عقل ہے۔ ارادہ ہے۔ یہ چیزیں نفسِ انسانی کی علیحدہ علیحدہ قوتیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نفسِ انسانی کی مختلف کیفیتیں ہیں۔ نفس ایک بہتا ہُوا دریا ہے۔ جب وہ زور شور سے رواں دواں ہوتا ہے۔ تو اس کا نقشہ کچھ اور ہوتا ہے۔ جب وہ مدھم ہو جاتا ہے۔ تو اس کی کیفیّت کچھ اور ہوتی ہے۔

کانٹ کہتا ہے۔ اور دلائل کی بنا پر کہتا ہے۔ کہ ذہن انسانی خارجی اثرات کو جُوں کا تُوں قبول نہیں کرلیتا۔ بلکہ وہ ان پراگندہ اور منتشر تاثرات میں ایک نظم اور ایک وحدت پیدا کرلیتا ہے۔ جب ذہن ان تاثرات کو ایک لڑی میں پرو لیتا ہے۔ تو اس ربط کو ادراک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی تسلیم کرلیا گیا ہے۔ کہ انسانوں اور حیوانوں میں بعض خواہشات ایسی ہیں کہ جو کسی تعلیم و تربیّت کی تخلیق

نہیں ہیں - بلکہ وہ ان میں قدرتاً پائی جاتی ہیں - فرائڈ کا دعویٰ یہ ہے - کہ ان خواہشات کی اصل انسان وحیوان کی جنسی خواہش ہے - جو کچھ ہے سب اسی کا کرشمہ ہے -

پروفیسر میک ڈاگل کہتا ہے - کہ ایسی خواہشات جنہیں وہ "جبلتیں" کہتا ہے - چودہ ہیں - ان خواہشات اور جذبات کو وہ سیرت انسانی سے تعبیر کرتا ہے - عہدِ حاضرہ کے قریباً تمام ماہرانِ نفسیات اس پر اظہارِ اتفاق کرتے ہیں - کہ نفس ایک وحدت ہے - اور جذبہ عقل اور ارادہ اس کے مختلف تماشے (مظاہرات) ہیں -

پروفیسر جوڈ کا اِدعا یہ ہے - کہ ان تمام مظاہرات کی مثال سمندر کی لہروں کی سی ہے - کہ جو ہمیشہ ہی اپنی شکلیں بدلتی رہتی ہیں - یہ امواج ہمیشہ ایک دوسری میں جذب ہوتی رہتی ہیں - نہ ان کا ایک دوسرے سے کوئی علیٰحدہ وجود ہے اور نہ وہ سمندر سے کوئی الگ وجود رکھتی ہیں
پروفیسر اشپرانگ کی تحقیق یہ ہے - کہ ان مظاہرات کی چھ شکلیں ہیں - (۱) علمی (۲) سیاسی (۳) سماجی (۴) معاشی (۵) جمالی (۶) مذہبی
مختصر یہ کہ تسلیم کر لیا گیا ہے - کہ انسان اپنے مخصوص ذہن - یا تخقیق یا رُوح کی وجہ سے اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے - وہ اتنا بلند ہے - کہ مسجودِ ملائکہ بن سکتا ہے -

بہترین شے

یاد رہے کہ انسان کے کمالات پر فخر اسی صورت پر کیا جاسکتا

کہ جب بہترین انسان کو پیش نظر رکھا جائے - اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے
اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے - کہ نرگس کے پھول کی خوشبو کیسی ہے۔
اس کے خواص کیا ہیں - تو اس کا فرض ہے کہ وہ شگفتہ پھول سے اندازہ لگائے
مرجھائے ہوئے پھول پر رائے کی بنیاد نہ رکھے - خواص الادویہ اس صورت
میں ظاہر ہو سکتے ہیں - کہ ادویات عمدہ ترین صورت میں ہوں - یہی حال انسان
کا ہے - وہ بھی اِنسان ہیں - کہ جن کی نسبت قرآن کا بیان یہ ہے -

اولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ — وہ حیوان ہیں چوپائے ہیں - بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں -

ان کے اعمال کا جائزہ لے کر انسان کے محاسن کا جائزہ لینا قرین انصاف
نہیں - قرآن مجید نے اس حقیقت کو خوب واضح کیا ہے - ارشاد ہوتا ہے -

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاس (پارہ پہلا) — جب اُن سے کہا جاتا ہے - کہ ایمان لے آؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں

ظاہر ہے - کہ قرآن بنی نوع انسان کے لئے ہدایت نامہ ہے - اس
کی دعوت ہر انسان کے لئے ہے - جن کو کہا گیا ہے - کہ وہ "ایمان لے آئیں"
عیاں ہے کہ وہ ایمان کے مکلّف ہیں - وہ ایمان لا سکتے ہیں - اتنی بات ضرور
ہے کہ وہ اِنسان ہیں - انہیں کہا گیا ہے - کہ وہ ایمان ان کی طرح قبول کریں
کہ جو ایمان لا چکے ہیں - دونوں انسان ہیں - مگر جن کو مومن قرار دیا گیا ہے -
وہ "النّاس" ہیں - عربی میں ال وہی کام دیتا ہے - جو انگریزی میں
لفظ دی ( ) دیتا ہے - رجل کے معنی آدمی الرجل کے معنی
خاص آدمی - رجل ہے نکرہ - الرجل ہے معرفہ - ایسے ہی النّاس

خاص آدمی - کامل انسان واقعی انسان کے مترادف ہیں - مولانا رومی فرماتے ہیں - ے

ایکہ سے بینی خلاف آدم اند
نیستند آدم غلاف آدم اند
محض چمڑے کے آدمی واقعی آدمی نہیں ہوتے -

اِنسان کی شان

اِنسان اِس مادی کائنات میں خُدا کی ایک جمیل وجلیل مخلوق ہے۔ اس کے سر پر خلافت ونیابت کا تاج رکھا گیا ہے - اس کے سامنے فرشتوں کو جھکایا گیا - اس کی مخالفت کی وجہ سے شیطان کو ٹھکرایا گیا - نیچے گرایا گیا - تمام کائنات کو اِنسان کے لئے مسخّر کر دیا گیا - اس آدم یا اِنسان کی یہ شان ہے - اس کا یہ وصف ہے - اس کا یہ شاہکار ہے - کہ وہ اپنے کمال سے آگاہ ہو گیا - اس کی خودی اس پر آئینہ ہو گئی - اس نے اپنے خط وخال ملاحظہ کر لئے - وہ اپنی پوشیدہ قوتوں کے صحیح اور برمحل اِستعمال سے آگاہ ہو گیا - اس نے اِس معرفت کے باعث قُدرت کا چہرہ دیکھ لیا - اس کے ادراک نے اسے افلاک پر پہنچا دیا - اس نے وہ مقام حاصل کر لیا - جس میں خدا کی کوئی اور مخلوق قدم نہیں مار سکتی - ظاہر ہے - کہ اِنسان کا یہ مرتبہ اس کی جسمانی ساخت کا نتیجہ نہیں - اس کے گوشت پوست کا کرشمہ نہیں - اس کی بناوٹ کو اس سے کوئی لگاوٹ نہیں - بلکہ یہ پھل اس کے باطنی کمالات - ذہنی ادراکات اور روحانی خصوصیات کا ہے - جنہوں نے اس کے اور دیگر مخلوقات کے درمیان ایک

خط امتیاز کھینچ دیا ہے - ایک حدِ فاصل قائم کر دی ہے - قدرت نے اسے اس کے حسبِ ظرف یزدانی اوصاف پیدا کرنے کی استعدادیں عطا کر دی ہیں جن حضرات نے اپنی صلاحیتوں کو جامہ عمل پہنا دیا ہے - ان کی نسبت الہامِ ربّانی نے یہ کہا ہے -

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(پہلا پارہ)

وہ اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پر ہیں - اور وہ کامیاب ہیں انکی باطنی قوتیں بارآور ہوئی ہیں -

اگر یہ معنوی محاسن انسان کے اندر نہ ہوتے - تو کوئی وجہ نہ تھی - کہ اسے شجر حجر، رند و چرند کے مرتبہ میں نہ رکھا جاتا - پس انسان کی مرتبت و عظمت کا باعث اس کی یہ خوبیاں ہیں - جو انسانیت کے محل کا سنگِ بنیاد اور عظمت آدمیت کا اصلی جوہر ہیں - ان امتیازی خصائص کا نام "اخلاق" ہے - جو مخفی قوتوں کے نشو و نما اور ان کی تعدیل و تہذیب سے پیدا ہوتے ہیں قدرت نے انہیں "تزکیہ" سے تعبیر کیا ہے - فرمایا

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

ظاہر ہے اس نفس کے احوال سے کہ جس نے اس کو سنوار لیا - وہ کامیاب ہوگیا - اور تباہ ہوگیا وہ انسان جسے اس نے خاک میں آلودہ کر دیا -

صدرِ اسلام میں عربوں نے اپنی خدا داد قابلیتوں سے پورا فائدہ اُٹھایا - اُنہوں نے خلافت قائم کی - اُنہوں نے اِنسانوں کے دِل اپنی مُٹھی میں لے لئے - اُنہوں نے وقت کی دو جابر سلطنتوں کو پیوندِ خاک کر دیا

وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایران - مصر - رُوم - شام - عراق - مراکش پر چھا گئے - دُنیا نے ان کے تمدن کا خیر مقدم کیا - ان کی تہذیب کو اپنایا - اُن کے خدا اور اُن کے رسُول کا کلمہ پڑھ لیا - ان کے قرآن کو سینہ سے لگایا - ان کے کعبہ کو جبینوں سے بسایا - اُن کی یہ کامرانیاں - سربلندیاں اُن کے علم، اُن کی حکمت، اُن کی ثروت، اُن کی عسکری قوت - بدنی طاقت اور فکر و اجتہاد کی رہینِ منّت نہ تھی - بلکہ جو کچھ کیا ان کی سیرت نے کیا - ان کا کردار بے حد شاندار تھا - اسلام نے ان کی کایا پلٹ دی - وہ دنیا کے لئے رحمت بن گئے وہ خودداری - نکوکاری اور وفاشعاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے - سارے جہان کے تخت نشین عرب کے ایک بادیہ نشین کے برابر نہ تھے - ان کے اخلاق کا دامن چشمِ حُور سے زیادہ خوبصورت بے داغ و پاک اور مسحور کن تھا - انہی کے زمانے میں ابُوطالب - ابوجہل - اُمیہ بن خلف - عُتبہ وغیرہ بھی تھے - یہ لوگ انسان نہیں تھے - جب ہم اِنسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے یاد کرتے ہیں - تو ہمارے ذہن کے سامنے ان بزرگوں کے نقوش ہوتے ہیں - ان انسانوں کے کارنامہ ہائے حیات ہوتے ہیں کہ جو تاریخ عالم کا فخر ہیں - جن کی صُورت پر قدرت کو ناز ہے - ہم جانتے ہیں - کہ اگر اپنا سرمایہ، اپنا اثاثہ اور اپنی تمام قوتیں دوسروں کی بھلائی، مصائب سے اُن کی رہائی کے لئے صرف کر دینے والے اِنسان ہی ہوتے ہیں - تو ان کے برعکس وہ بھی چیتے اور بھیڑیئے نہیں ہوتے - آدمی ہی ہوتے ہیں - جو اپنی تیغوں کی تیزیوں کو آزمانے کے لئے اپنے سے کمزوروں اور ناتوانوں کی گردنوں کو اُڑا دیتے ہیں - ان کا خُون بہاتے ہیں - اگر خدا کے حضور میں اِنسانوں کی جبینیں سجدہ ریز ہوتی ہیں - تو درختوں، پتھروں، جانوروں، مٹی کے بُتوں اور انسانوں، پانی کے دھاروں کو معبود خیال کرنے والے ان کی الوہیت

کا اعتراف کرنے والے بھی غیر نہیں ہوتے۔ اگر ایک وقت میں پیکر خاکی مجسمۂ رحم و کرم نظر آتا ہے۔ ہمدردی کا پیکر ہوتا ہے۔ تو دوسرے وقت میں وہ ظلم اور جبر و ستم کا ہیولا بن جاتا ہے۔ اگر راتوں کو انسانوں کی جائدادوں کی حفاظت کے لئے پہرہ دینے والے اِنسان ہیں۔ تو رات کے اندھیرے میں نقب و سرقہ کے لئے ذریعے دُوسروں کی دولتوں پر ڈاکہ ڈالنے والے اور ان کا مال اُڑا کر لے جانے والے بھی وہی ہوتے ہیں۔ کہ جن کے نام مردم شماری کی فہرستوں میں انسان درج ہوتے ہیں اگر دوسروں کی بہو بیٹیوں کی عفت و عصمت کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں پر کھیل جانے والے فرزندانِ آدم ہوتے ہیں۔ تو اُنہوں نے بھی دُخترانِ حوّا کا ہی دُودھ پیا ہُوا ہوتا ہے۔ جن کا شیوہ عصمتوں کو لُوٹنا اور عفتوں کو کھسوٹنا ہے۔ وہ برگزیدہ حضرات بھی اِنسان ہیں۔ کہ جو اپنے بھائیوں کو غلامی کی زنجیروں اور محکومی کی لعنت سے بچانے کے لئے اپنے فہم اپنے تدبر اپنے مال و متاع کو بے دریغ خرچ کر دیتے ہیں۔ تو عصمت فروش وطن فروش بھی آدمی ہی ہوتے ہیں ریچھ اور مگر مچھ نہیں ہوتے۔ دُنیا اُنہیں بھی دیکھ رہی ہے کہ جن کی پیشانیوں کا نور دُوسروں کے دلوں کو منوّر کر رہا ہے اور زمین و آسمان کی نگاہیں اُن پر بھی ہیں۔ کہ جن کا وجود ایمان و کردار کے حق میں ڈسنے والے سانپوں سے زیادہ خطرناک ہے۔ خدمتِ ملّی کے جذبے سے سرشار ہو کر قربانی و ایثار سے کام لینے والے بھی اگر انسان ہیں۔ تو سیاست کے نام سے اپنے بھائیوں کا خون چُوسنے والے بشر نہیں انسان ہی ہوتے ہیں۔ مومن۔ مسلم۔ متّقی۔ صابر۔ شاکر۔ ولی۔ مجاہد۔ عابد شہید انسانوں کے ہی القاب ہیں۔ کافر۔ فاسق فاجر جابر منافق بھی ابنائے آدم ہی کہلاتے ہیں۔

دو اِنسان

دُنیا کی پُوری تاریخ شاہد ہے۔ کہ اِنسان انتہا درجے کے اچھے بھی ہیں۔ اور بُرے بھی ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے۔ کہ جیسے ستھرے پھل بھی ہیں اور گندے بھی ہیں۔ اُجلا لباس بھی ہوتا ہے۔ اور بوسیدہ بھی۔ جب بھی کسی شے کی تعریف کی جاتی ہے۔ یا کسی چیز کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے تازہ اچھی سُتھری اور عمدہ شے چھانٹی جاتی ہے۔ طبیب جب نسخے میں چند اشیاء تجویز کرتے ہیں۔ تو اُن سے مقصد وہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جو واقعی حالت میں ہوتی ہیں۔ وہ جب بنفشہ کے اِستعمال کی ہدایت کرتے ہیں۔ تو ان کا مدعا ردّی بنفشہ نہیں ہوتا۔ آپ کسی سے کوئی جنس خریدتے ہیں۔ وہ اس کے عوض یا بدل میں نوٹ یا روپیہ یا کوئی سکّہ طلب کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی مراد جعلی نوٹ یا بٹا وٹی یا ناقص روپیہ یا کھوٹا سکّہ نہیں ہوتا ہے ہاں یہ درست ہے۔ کہ عام بول چال میں گندے پھل کو بھی پھل۔ بوسیدہ لباس کو بھی لباس۔ یا جعلی نوٹ کو بھی نوٹ ہی کہتے ہیں۔ بعینہٖ بُرے برائے نام اِنسان کو بھی اِنسان ہی کہا جاتا ہے۔ مگر انسان کی ماہیّت بیان کرتے ہوئے اچھّے اِنسان ہی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ بلاشُبہ دونوں ہی فرزندِ آدم ہوتے ہیں۔ قابیل بھی آدم کا بیٹا تھا۔ اور ہابیل بھی ان کا ہی لختِ جگر تھا۔ قابیل زبوں کار۔ اور ہابیل نکوئی شعار تھا۔ اگر نیکی کا تعلّق کسی نسل سے ہوتا۔ تو ہو نہیں سکتا تھا۔ کہ قابیل بُرا اور گنہگار رہتا۔ ہابیل اس کا بھائی تھا۔ مگر نیک دل تھا۔ قابیل برائے نام فرزند آدم تھا۔ ہابیل واقعی فرزندِ آدم تھا۔ گناہ یا نیکی کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد نہیں۔ کہ جو

ورثہ میں حاصل ہو سکتی ہو۔ قرآن پاک نے حضرت نوحؑ کے اس بیٹے کو (جس نے باپ کا حکم نہ مانا۔ اور وہ حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار نہ ہوا) بُرا ٹھہرایا۔ اور حضرت نوحؑ سے فرمایا۔

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ	وہ تیرا بیٹا نہیں۔ اس کے عمل اچھے نہیں۔

بیٹے کو باپ کی مادی جائداد ملتی ہے۔ ایمان۔ علم۔ فن اور کردار نہیں ملتا۔ اِس لئے کہ یہ نعمتیں مادی نہیں ہیں۔

ویسے تو تمام اِنسان اولادِ آدمؑ ہیں۔ مگر حقیقتاً ان کی اولاد وہی ہے کہ جو نیک ہے۔ آدم کے اوصاف یہ ہیں۔

(۱) وہ نائب ہیں خلیفہ ہیں۔

(۲) اللہ نے اُن سے شرف و عزّت کا خطاب کیا۔

(۳) انہیں ایک ذمہ دار ہستی ٹھہرایا۔ حیوان جو چاہیں سو کھائیں۔ وہ چرا کر کھائیں تو انہیں کوئی جرم نہیں ہوتا۔ آدم سے فرمایا گیا کہ وہ جنّت میں رہیں۔ جس پھل کو چاہیں کھائیں۔ مگر ایک پھل وہ تھا۔ جن سے ان کو اور ان کی رفیقۂ حیات جنابہ حوّا کو روک دیا گیا۔

(۴) انہیں بتایا گیا۔ کہ شیطان ان کا دشمن ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو ان کی ہستی سے خاص دلچسپی تھی۔ ان پر اس کی خاص عنایت تھی۔

(۵) اُن کی فطرت ایسی بنائی گئی۔ کہ وہ خلیفہ ہو سکتے تھے۔ ان کے ذریعے صفات ربّانی کا ظہور ہو سکتا تھا۔

(۶) ان کی سربلندی کے لئے نصاب تعلیم تجویز کیا گیا۔ اُنہوں نے علم

میں وہ کمال حاصل کیا۔ کہ فرشتے ان کے سامنے جھک گئے۔
(۷) شیطان کے دل میں ان سے حسد پیدا ہُوا۔
(۸) اُس نے اُن کے عشقِ خداوندی کو پیش نظر رکھ کر اُن کے سامنے حلف اُٹھایا۔ کہ اگر تم اس درخت کا پھل چکھو گے تو فرشتے بن جاؤ گے۔ اور ہمیشہ اسِ جنّت میں رہو گے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

قَاسَمَهُمَا اِنِّی لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْن	ان کے سامنے کہا۔ مجھے خدا کی قسم میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں

اِبتدائی زمانہ تھا۔ شیطان پہلا شخص تھا۔ جس نے آدم و حوّا کو دھوکا دینے کے لئے خدا کی قسم کھائی۔
(۹) حضرت آدمؑ کا قطعًا ارادہ نہ تھا۔ کہ اس کا پھل کھائیں۔ مگر اُنہوں نے بھُول کر ایسا کیا۔ ان کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ کہ زمین میں جنسی زندگی کے لئے لازمی ہے۔ کہ انسان کا علم اعلےٰ درجے کا ہو۔ اس کا ارادہ اِتنا پختہ نہ ہو۔ کہ اس میں گناہ کی گنجائش نہ ہو۔ اگر کسی کے فریب دینے سے وہ بھول میں مبتلا ہو جائیں۔ تو اس کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اللہ سے معافی طلب کریں۔ یہ مقام بڑا اُونچا ہے۔ اس کے بغیر تربیت مکمل نہیں ہوتی۔ چنانچہ آدمؑ و حوّا نے بھُول کر جب شجر ممنوعہ کا پھل چکھ لیا تو بہ الفاظ قرآن ان کا بیان ہے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْن (پارہ ۸ سورۂ اعراف)	اُنہوں نے عرض کیا۔ اے ہمارے پروردگار۔ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا۔ تو ہم نقصان

اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے

آدمؑ اور حوّا نے کوئی جُرم نہیں کیا تھا۔ اُن سے بھُول ہو گئی نسیان عصیان نہیں ہے۔ لیکن اُنھوں نے کہا کہ جو مقام اللہ تعالےٰ نے انہیں عنایت کیا ہے اس کی شان کا تقاضا یہ تھا۔ کہ وہ بھُول کر بھی اس درخت کے پاس نہ پھٹکتے اس پر اُنہوں نے بخشش طلب کی۔ رحم طلب کیا۔ اور کہا۔ کہ اگر انہیں ان نعمتوں سے نہ نوازا گیا۔ تو وہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے بھُول کے بعد جو وقت استغفار میں صرف کیا جاتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت بے مثال ہے۔ پُوری تاریخ شاہد ہے۔ کہ اولی العزم انسانوں نے ناکامیوں سے گزُر کر ہمت و استقلال کے ذریعے جو فائز المرامی حاصل کی۔ ان کی مثال نہیں ملتی۔ آدم و حوّا کی بھُول بیش از بیش یادِ الٰہی کی منزل کا زینہ تھا۔ جو ابنائے آدمؑ حضرت آدمؑ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوں گے۔ وہ بامراد ہوں گے۔ جو گناہ کریں گے اور ارادہ سے گناہ کریں گے۔ سچائی کا اِنکار کریں گے۔ اور اس پر اکڑیں گے نسلی گھمنڈ کا شکار ہو جائیں گے۔ وہ صُورتاً اِنسان ہوں گے۔ اصلی اِنسان نہیں ہوں گے۔

صُورت کے انسان

قرآنِ پاک نے بتایا ہے کہ کون سیرت کے اِنسان ہوتے ہیں۔ اور کون محض صُورت کے اِنسان ہوتے ہیں۔ نام نہاد اِنسانوں کے اوصاف یہ ہیں۔

وساوس

یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاس   اِنسانوں کے قلوب میں وسوسے

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ — پیدا کرتے ہیں - وسوسہ اندازی شیطانی حرکت ہے

(۳۰ پارہ)

گھاٹا پانے والے

(۲) جو اِنسان ایمان سے بے بہرہ ہوتے ہیں - نیک عمل نہیں کرتے نیکی کی وصیّت نہیں کرتے - حق کے لئے صبر نہیں کرتے - وہ گھاٹا پانے والے ہیں

کثرتِ مال کی خواہش

(۳) وہ پرلے درجے کے طمع پسند ہوتے ہیں - ان کی زندگی کے اکثر اوقات مال شماری میں لگاتے ہیں -

(۴) اُن کی نادانی کا عالم یہ ہے - کہ وہ گمان کرتے ہیں - کہ مال ہمیشہ ان کے پاس رہے گا

(۵) وہ اِتنے بے رحم ہوتے ہیں - کہ یتیموں اور مسکینوں کی پرورش نہیں کرتے -

(۶) وہ انتہا درجے کے بخیل ہوتے ہیں - اگر ان سے کچھ عرصہ کے لئے ہی سہی معمولی استعمال کی چیزیں طلب کی جائیں تو نہیں دیتے -

(۷) ان کے دل و دماغ میں یادِ الٰہی کا کوئی اضطراب نہیں ہوتا

(سورہ عصر - ہمزہ - ماعون پارہ ۳۰)

(۸) اُنہیں قبر کے کونے تک کثرت مال کی خواہش ہی رہتی ہے - (سورہ تکاثر)
سورہ عادیات میں بیان کیا

(۹) کہ اِنسان اپنے رب کا ناشکرا ہے - اس کے دل میں مال کی انتہائی محبت

ہے - اس کا دل مانتا ہے - کہ وہ پرستار دولت ہے - اور کافر نعمت

(۱۰) سورۂ علق (۳۰) میں ہے - کہ اِنسان یہ تصوّر کر لیتا ہے - کہ اُس کا حاجت روا رزہ ہے - خدا نہیں ہے - اُسے خدا کی حاجت نہیں دولت کی حاجت ہے -

نفسِ اِنسانی

(۱۱) سورۂ تین میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان انتہا درجے کی بلندی سے اِنتہائی گہرائی میں گر جاتا ہے -

(۱۲) سورۂ والشمس (۳۰) کا بیان ہے - کہ صُورت کا اِنسان نفسِ انسانی کو خاک میں ملا دیتا ہے -

معیارِ عزّت

(۱۳) سورۂ فجر (۳۰) میں واضح کیا گیا ہے - کہ بُرا انسان وہ ہے - کہ جو دولت کی فراوانی کو معیارِ عزّت و شرافت اور رزق کی قِلّت کو علامتِ ذِلّت سمجھتا ہے - اور اسی جذبے کے ماتحت جہاں تک ہو سکتا ہے وہ دوسروں کے مال و متاع کو اپنے تصرف میں لانے کی فکر کرتا ہے -

مُنکرِ قیامت

(۱۴) سورۂ تطفیف (۳۰) میں بتایا گیا ہے - کہ نکمے اِنسانوں کا ایک شیوہ ہے کہ جب وہ مال لیتے ہیں تو پُورا لیتے ہیں - اور جب دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں - اُن کے پیمانے کھوٹے ہیں - انہیں یہ معلوم کہ بروز قیامت انہیں چھوٹے

وزنوں کے باعث عذاب ہوگا - وہ قیامت کے منکر ہیں - وہ حد سے بڑھ جانے والے بدکار ہیں - ان کے دل زنگ آلودہ ہیں -

(۱۵) سورۂ انبیاء میں ان کی نسبت یہ بتایا گیا ہے - کہ وہ کہیں گے کاش کہ وہ مٹی ہوتے - انسان نہ ہوتے

(۱۶) سورۂ قیامہ میں یہ تصریح کی گئی ہے - کہ محض صورت کے انسان یہ گمان کئے ہوئے ہیں - کہ اللہ تعالےٰ ان سے کوئی بازپرس نہیں کرے گا اُنہیں یُونہی چھوڑ دے گا -

نصیحت سے رُوگردانی

(۱۷) مدثر (۲۹) میں ہے - کہ یہ نام نہاد انسان نصیحت سے اس طرح منہ پھیر لیتے ہیں - کہ گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگ رہے ہیں -

(۱۸) سورۂ مزمل میں ہے - کہ یہ انسان محض باتونی ہوتے ہیں - نہ کسی مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں - نہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں -

(۱۹) سورۂ نوحؑ میں قومِ نوحؑ کا ذکر کیا گیا ہے - اس قوم کے اکثر افراد ایسے تھے - کہ جُوں جُوں حضرت نُوحؑ اُنہیں خدا کی طرف بلاتے رہے توں توں زیادہ بھاگتے رہے - اور جب کبھی جنابِ نوحؑ نے ان سے کہا - آؤ میں تمہاری بخشش کی دُعا کروں تو اُنہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں - تاکہ حضرتِ نوحؑ کی آواز اُن کے کان کے پردوں سے نہ ٹکرائے وہ بُت پرستی سے باز نہ آئے - اُنہوں نے کُفر و گُناہ کی راہ نہ چھوڑی - اُنہوں نے تکبّر کیا - نُوحؑ کے خلاف سازشیں کیں - ان کی نافرمانی کی

اُن سے گستاخی سے پیش آئے - حضرت نوحؑ نے اُن کے لئے بددعا کی وہ بددعا کا شکار ہو کر تباہ ہو گئے - طوفان میں غرق ہو گئے -

بے صبر و حریص

(۲۰) المعارج (۲۹) میں نمایاں کیا گیا ہے - کہ نام نہاد انسان بڑا بے صبر ہوتا ہے - جلد باز ہوتا ہے - طمع پسند ہوتا ہے - اُسے ذرا سی تکلیف لاحق ہو جائے - تو شور و شیون پر آمادہ ہو جاتا ہے - جب اسے کوئی دولت ہاتھ آتی ہے - تو چاہتا ہے - کہ اس کا کوئی حصہ دوسروں کو نہ دے - وہ بیہودگیوں اور دنیاوی کھیل کود میں مصروف رہتا ہے -

ذلیل

(۲۱) سورۂ القلم (۲۹) نے ان انسانوں کا یہ نقشہ بیان کیا ہے - کہ وہ قسموں کے عادی ہوتے ہیں - وہ اپنے آپ کو ذلیل کرنے والے ہوتے ہیں - وہ خود دار نہیں ہوتے - وہ دوسروں پر عیب لگاتے ہیں - انسانوں کی برائیاں بیان کرتے ہیں منہمک رہتے ہیں - وہ شرارتوں اور خباثتوں کے پھیلانے میں دوڑے پھرتے ہیں - ان کا شیوہ چغل خوری ہے - ان کا مقصد نیکیوں کے پھیلاؤ کو روکنا ہے - وہ انتہا پسند ہیں - بڑے گنہگار ہیں سخت جھگڑالو ہیں - شرافت کے تصور سے یکسر عاری ہیں -

(۲۲) سورہ ملک (۲۹) میں ہے - کہ یہ لوگ نصیحت کی باتوں کو گوش ہوش سے نہیں سنتے اور نہ عقل و فراست سے کام لیتے ہیں - وہ اپنی جانوں کے ساتھ فریب کرتے ہیں -

(۲۳) سورہ تغابن میں ہے۔ کہ اُنہوں نے نبیوں کے حکم کو اس بنا پر نہ مانا۔ کہ اُنہیں اپنے جیسا اِنسان تصوّر کیا۔ ان کی نظر انسان کے ظاہری وجود پر جمی رہی۔ انہوں نے نفسِ اِنسانی کے کمالات کو اپنی نظروں سے اوجھل کر دیا۔

منافقت

(۲۴) سورۂ منافقون (پارہ ۲۸) میں ہے۔ کہ نام نہاد اِنسانوں کا ایک وصف منافقت ہے۔ وہ انسان نہیں۔ بلکہ لکڑیاں ہیں۔ جنہیں لباس پہنا دیا گیا ہے۔ وہ رسُولؐ اور اس پر ایمان لانے والوں کو عزّت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

کجرو و کج بیں

(۲۵) سورۂ صف (۲۸) میں بتایا گیا ہے کہ انسانیت کو بدنام کرنے والے اِنسانوں نے حضرت موسیٰؑ کو دکھ دیا۔ کج بینی و کجروی کے باعث اُن کے دِل ٹیڑھے ہو گئے۔ وہ ہدایت ربّانی سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ وہ فاسق بن گئے۔ آنحضرتؐ کے زمانے کے یہودی منش انسانوں نے آپؐ کے معجزات اور آپ کے روشن دلائل اور آپ کے مقدس کارناموں کو سحر کاری سے تعبیر کیا

(۲۶) سورہ ممتحنہ (پارہ ۲۸) میں یہ اجاگر کیا گیا ہے۔ کہ ابوجہل اور اس کے جن ہم نواؤں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو ہجرت پر مجبور کیا۔ وہ اس قابل نہیں ہیں۔ کہ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے وہ ظالم ہیں۔ وہ غضب الٰہی کے مورد ہیں۔ اور ان کا یوم آخرت پر ایمان نہیں۔

بے عقل

(۲۹) سورۂ حشر (پارہ ۲۸) میں اُن کا یہ حشر بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ جتنا انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ اتنا خدا سے نہیں ڈرتے۔ ان میں عاقبت بینی کا مادہ نہیں۔ وہ بے عقل ہیں۔ وہ بظاہر ایک نظر آتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ اُنہیں شیطان نے کفر پر آمادہ کر رکھا ہے۔ انہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے۔ ان کا مقام دوزخ ہے۔

متکبّر

(۳۰) سورۂ حدید (۲۸) میں ہے۔ کہ وہ دنیا جس میں آخرت کے تصور کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ محض ایک کھیل ہے تماشا ہے۔ اس دنیا کے چاہنے والے روز و شب اسی جد و جہد میں ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ صاحب مال ہو جائیں۔ ان کی اولاد زیادہ ہو۔ اُن کے نزدیک فخر و وقار کی چیزیں یہی ہیں۔ اُنہیں نکوکاری سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ بڑے متکبّر ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالےٰ گھمنڈ کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

(۳۱) سورۃ النجم (۲۷) میں وضاحت کی گئی ہے۔ کہ آخرت کا انکار کرنے والے انسان صرف توہّمات پر فریفتہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی قطعی علم نہیں۔ اُن کا سرمایۂ فکر ظنونِ فاسدہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

دلوں کی بیماری

(۳۲) سورۂ محمدؐ (۲۶) میں ہے۔ کہ منکرینِ نبوّتِ محمدیّہ کے دل بیمار

ہیں۔ اُن کے سینوں میں کینہ ہے۔ وہ لوگوں کو خُدا کی راہ سے روکتے ہیں وہ اپنی جانوں سے بُخل کرتے ہیں۔

(۳۳) سورۂ جاثیہ (پارہ ۲۵) میں ہے۔ کہ گُمراہ اِنسانوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبُود بنا رکھا ہے۔ خواہشات کے پرستاروں کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے ان کی بدفکری اور بدعملی کے باعث مُہریں لگا دی ہیں۔ اُن کے کان حق کی آواز سُننے سے بہرہ ہو گئے ہیں۔ ان کے دلوں میں صداقت کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اُن کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ ان کا ایمان یہ ہے۔ کہ جو کچھ ہے دُنیا کی زندگی ہے۔ اسی میں مرنا ہے۔ اسی میں جینا ہے۔ ان کو صرف زمانہ ہلاک کرے گا۔

(۳۴) سورۂ دخان (۲۵ پارہ) کا اعلان ہے۔ کہ ان بدبخت انسانوں کی بدبختی اور بدگوئی کا عالم یہ ہے۔ کہ اُنہوں نے رسُولِ مبینؐ کو کسی کا سکھایا ہُوا دیوانہ کہا۔

(۳۵) سُورۂ زُخرُف (پارہ ۲۵) میں ہے۔ کہ یہ بدبخت کھلے ہُوئے ناشُکرگذار ہیں۔ ان کا اِعتراض یہ ہے۔ کہ خدا نے کسی بڑے دولتمند کو نبی کیوں نہ بنایا ان کا منشا یہ ہے۔ کہ اللہ اپنی رحمت کو ان کی وساطت سے تقسیم کرائے وہ سب کو بہر لحاظ یکساں بنائے۔ نہ کوئی حاکم ہو نہ کوئی محکوم۔ نہ کوئی خادم ہو نہ مخدوم۔ اگر ہم کو یہ خدشہ نہ ہوتا۔ کہ کہیں اس نظارے کو دیکھ کر لوگ گمراہ نہ ہو جائیں۔ تو ہم اشخاص کے مکانوں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے اور ان کے گھروں کو اور ان تختوں کو جن پر وہ بیٹھتے ہیں۔ سونے کا بنا دیتے۔ یہ نہیں جانتے۔ کہ پرہیزگاری اور نکوکاری سب سے بڑی نعمت ہے۔

ظالم

(۳۶) سُورۂ شوریٰ (پارہ ۲۵) میں ہے۔ کہ عاقبت سے مطلقاً بے خبر انسان زمین میں بنی نوع انسان پر ظلم توڑتے ہیں۔ اور اُنہیں ناحق ستاتے ہیں۔

(۳۷) سُورۂ سجدہ (۲۵ پارہ) میں ان کی سیرت کے اُس پہلو کو آئینہ کہا گیا ہے۔ کہ جب اُن پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی اِنعام کیا جاتا ہے تو مُنہ موڑ لیتے ہیں۔ لیکن جب اُنہیں کوئی دُکھ پہنچتا ہے۔ تو لمبی چوڑی دُعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔

(۳۸) سُورۂ مومن (پارہ ۲۴) میں ہے۔ کہ اگر یہ منکرین شہروں اور بستیوں پر متصرف نظر آئیں۔ تو اُن کے تصرف سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

(۳۹) سُورۂ یٰسین (۲۳) میں یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ ان انسانوں کی سب سے بڑی بھُول یہ ہے۔ کہ اُنہوں نے یہ بھلا دیا ہے۔ کہ ان کی پیدائش کیوں کر ہُوئی۔ اُن کا اِعتراض یہ ہے۔ کہ جب ان کی ہڈیاں گل سڑ جائیں گی۔ تو اللہ انہیں کیونکر زندہ کرے گا۔ اُن پر یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ انہوں نے اِس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے۔ کہ جس اللہ نے انہیں اس وقت پیدا کیا جبکہ وہ کچھ نہیں تھے۔ کیا جب وہ کچھ ہیں۔ اس سے ان کو دوبارہ زندہ کرنا زیادہ مشکل ہے۔

(۴۰) سُورۂ فاطر (۲۲) میں اس فطری راز کو ظاہر کیا۔ کہ انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے تین قسم کے ہیں۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے

(۲) میانہ روی اختیار کرنے والے

(۴۰) اللہ کے حکم سے نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے والے۔

اس میں یہ بتایا ہے۔ کہ جو انسان زندہ ہونیکے باوجود قبروں میں پڑے ہوئے مُردوں کی مانند بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی بات وہ کیوں کر سُن سکتے ہیں آپ اُن کو سنانے والے نہیں ہیں۔

(۴۱) سُورۂ لقمان (پارہ ۲۱) میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ نیکی کی راہ سے ہٹانے والے انسان لوگوں کو دنیوی لذتوں میں مشغول رکھنے کے لئے کہانیوں اور قصّوں کو خریدتے ہیں اور وہ دین کے بارے میں کسی علم اور روشنی کے بغیر جھگڑتے ہیں۔ اللہ والوں سے اُلجھتے ہیں۔

(۴۲) سُورۂ عنکبُوت (پارہ ۲۰) میں منکرینِ دعوتِ الٰہی کا یہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کہ وہ نبیّوں کو یہ کہتے رہے ہیں کہ وہ ان کی پیروی کریں۔ وہ اُن کے گُناہ اُٹھائیں گے۔ ان کا شیوہ افترا ہے۔ لُوط کے زمانے میں انہوں نے پرلے درجے کی بے حیائی کو اپنا عام مشغلہ بنالیا۔

آخرت سے غفلت

(۴۳) اکثر انسانوں کا حال یہ ہے۔ کہ دنیوی زندگی کی ظاہری باتوں کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ لوگ اس سے بھی انکاری ہیں کہ اُنہیں خُداوند تعالےٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(سُورۂ روم - پارہ ۲۱)

ضدی کافر

(۴۴) اسی صورت میں یہ واضح کیا گیا ہے۔ کہ گو قرآن میں ہر ایک نوعیّت کی مثال سے حقائق کا اظہار کیا گیا ہے۔ مگر جو انسان کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ ہر نشان و بُرہان پر یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ تو دھوکا ہے۔

اِمتحان

(۴۵) سورۂ عنکبوت (پارہ ۲۰) میں بتایا گیا ہے۔ کہ انسان معرضِ امتحان میں ہے۔ جھوٹے اور سچے انسان کی پرکھ ضرور ہوگی۔ اُنہیں مصائب کے ذریعے جانچا جائے گا۔ اِمتحانی دُکھ عذابی دُکھ نہیں ہوتا۔

فرعون و قارُون

(۴۶) سورۂ القصص (پارہ ۲۵) میں دو بڑے انسانوں فرعون اور قارون کی نسبت یہ بتایا گیا ہے۔ کہ فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی۔ اُس نے اہلِ مصر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ ان میں سے ایک کو کمزور کر دیتا تھا۔ اور اُن کے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا۔ اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ اس نے زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ وہ بدکردار تھا۔ اس کے ہم کار سردار فاسق تھے۔ اُس نے حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کی ٹھانی۔ قارُون گو حضرت موسیٰ کی قوم سے تھا۔ اور وہ بہت ہی بڑا مالدار تھا۔ مگر وہ اپنی قوم کی معاونت کی بجائے اسے سخت تنگ کرتا تھا۔ وہ قوم کا باغی تھا۔ وہ بڑا متکبّر تھا۔ وہ فسادی تھا۔ وہ اپنی دولت کا کوئی حصّہ قوم کی بھلائی پر صرف نہیں کرتا تھا۔ وہ بڑا

کافرِ نعمت تھا۔ اسے اپنے علم پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اللہ تعالےٰ اسے اس کے گھر کی زمین میں ہی ناپید کر دیا۔ وہ جو اس کی دولت کو دیکھ کر دولت کے خواہاں تھے۔ اس کے انجام کو دیکھ کر عبرت پذیر ہوئے۔

مُردہ انسان

(۷۴) سُورۂ النحل (پارہ ۲۰) میں یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ جو اِنسان جسمی لحاظ سے زندہ ہوں۔ مگر وہ ایسے ہوں۔ کہ گمراہی میں رہنا ہی پسند کرتے ہوں۔ وہ حق کی بات سُننا ہی نہ چاہتے ہوں۔ اور جب کوئی حق کہہ رہا ہو وہ وہاں سے پیٹھ پھیر کر واپس ہو جاتے ہو۔ ایسے اِنسانوں کو ہدایت کا راستہ نصیب نہیں ہو سکتا۔

(۸۴) سُورۂ الشعرا (پارہ ۱۹) میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ہُودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو ان گناہوں سے ڈرایا۔ جن میں وہ قومیں مبتلا تھیں۔ اور یہ کہا کہ وہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ وہ ان سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ انہیں اجر اللہ دے گا انہیں قوم نے یہی کہا۔ کہ چونکہ وہ ان کی مانند ایک انسان ہیں۔ اس لئے ہم ان کی بات نہیں مان سکتے۔ اللہ والوں کے ان نافرمانوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا۔

(۹۴) سُورۂ المومنون (پارہ ۱۸) میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ قوم نوحؑ کے سرداروں اور مالداروں نے اپنی قوم سے یہ کہا۔ "تم سُنتے ہو۔ یہ کیا کہتا ہے یہ تمہیں اُمید دلاتا ہے۔ کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا چورہ ہو جاؤ گے۔ تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا۔ کیسی انہونی بات ہے

جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے۔ بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا؟ زندگی تو بس یہی زندگی ہے۔ جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں۔ یہیں مرتے ہیں۔ یہیں جینا ہے بس۔

ذرا سی مصیبت

(۵۰) سورۂ الحج (پارہ ۱۷) میں بیان کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں۔ مگر دل کے جماؤ سے نہیں۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا۔ تو مطمئن ہو گئے۔ اگر کوئی آزمائش آ گئی تو اُلٹے پاؤں اپنی کفر کی حالت پر لوٹ پڑے۔ وہ دنیا میں بھی نامراد ہوئے اور آخرت میں بھی۔ اور یہ کھلی ہوئی نامرادی ہے۔

جلد بازی

(۵۱) سورۃ الانبیاء (پارہ ۱۷) میں ہے۔ کہ آدمی کی سرشت میں جلد بازی ہے۔

جھگڑالو

(۵۲) سورۃ الکہف (پارہ ۱۵) میں ہے۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کر دی ہیں۔ مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

نامۂ اعمال

(۵۳) سورہ بنی اسرائیل (پارہ ۱۵) میں اس واقعیّت کو الم نشرح

(آئینہ) کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالے نے ہر انسان کی شامت اس کی گردن سے باندھ دی ہے۔ قیامت کے دن ہم اس کے نامۂ اعمال کی ایک کتاب نکال کر پیش کر دیں گے۔ وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا۔ ہر جان کو اپنا ہی بوجھ اُٹھانا ہے۔

اِنسانوں کے پیشوا

(۵۴) اس سورۃ میں ہے۔ کہ ہم اِنسانوں کو قیامت کے دِن اُن کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔

ظُلم

(۵۵) سُورۂ یونس (پارہ ۱۱) میں ہے۔ اللہ تعالےٰ اِنسانوں پر ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ مگر خود اِنسان ہی ہے کہ جو اپنے اُوپر ظلم کرتا ہے۔

نسلِ آدمؑ

(۵۶) سُورۂ انعام (پارہ ۸) میں نسلِ آدم سے یوں خطاب فرمایا۔ "اللہ وُہی ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا۔ اور تم میں سے ایک کے رُتبے دوسرے پر بلند کئے۔ تاکہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اُس نے تم کو دے رکھی ہیں۔

مساواتِ اِنسانی

(۵۷) سُورۃ النساء (پارہ ۴) میں فرمایا۔ " اے بنی نوعِ اِنسان۔ اپنے

پروردگار کا خوف پیدا کرو۔ جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا (اس کی رفیقۂ حیات) پیدا کیا۔ اور اس آدمؑ اور حوّا سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلائیں۔

بوجھ

(۵۸) سورۃ النساء (پارہ ۵) میں ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔ اس لئے کہ انسان کمزور پیدا ہوا تھا۔

زندگی کا سامان

(۵۹) آل عمران (پارہ ۳) میں ہے۔ لوگوں کو محبت ہے عورتوں سے بیٹوں سے۔ سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے۔ گھوڑوں اور مویشیوں سے۔ کھیتوں سے۔ یہ چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں۔

منافق

(۶۰) سورۂ بقرہ (پہلا پارہ) میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں میں سے ایسے بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر واقعی حال یہ ہے۔ کہ وہ ایمان لانے نہیں ہیں۔ وہ دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو۔ ایمان لانے والوں کو۔ اور نہیں دھوکا دیتے وہ کسی کو مگر اپنے آپ کو۔ حال یہ ہے۔ کہ وہ اس امر کو محسوس نہیں کرتے۔ ان کے دل اخلاقی امراض میں مبتلا ہیں۔ اُن کا مرض بڑھ رہا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ فساد پھیلانے ہیں۔ اور فساد کو اصلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کی مانند

ایمان نہیں لاتے - اور صدقِ دل سے ایمان لانے والوں کو کم عقل تصور کرتے ہیں - وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں - مگر جب کافروں سے ملتے ہیں - کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں - وہ یہ کہتے ہیں - کہ ہم ہر ایک کا مذاق اُڑاتے ہیں -

تمنّائیں

(۶۱) سورۂ بقر (پارہ ۲) میں ہے - " انسان اپنی تمنّاؤں کے معیار و لحاظ سے دو قسم کے ہیں - ایک وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں - اے پروردگار ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا میں دیدے - دُوسرے وُہ ہیں جن کی آرزو یہ ہے - اے پروردگار ہمیں دنیا میں بھلائی دے - اور آخرت میں بھلائی دے - اور اے اللہ ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا - جو محض دنیا چاہتے ہیں - ان کے لئے اگلی دُنیا میں کوئی حصّہ نہیں - ہر ایک کے لئے وہ جس کے لئے اُس نے محنت کی -

---

اِنسان کا وصفِ خصوصی

جس وصف نے اِنسان کو خاص امتیاز بخشا وہ یہ ہے - کہ وہ امانتِ الٰہی کے بارِ گراں کا اُٹھانے والا ہے - قرآن مجید کے ۲۲ ویں پارے سُورۂ احزاب میں ہے - کہ خداوند تعالےٰ بیان فرماتا ہے -

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہم نے امانت کو پیش کیا آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے

وَالْجِبَالِ ۔ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۔ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔

کہ وہ اسے اُٹھالیں۔ مگر اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے اِنکار کیا۔ اور اس سے ڈر گئے۔ اور اِنسان نے اسے جھٹ پٹ اُٹھا لیا۔ بلاشک وہ اپنی جان پر ظُلم کرنے والا۔ اور غیرِ حق سے جاہل ہے۔

حافظ شیرازیؒ نے خوب فرمایا ہے

آسماں بارِ امانت نتوانست کشود

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اس آیت سے متصل آیت یہ ہے ۔

مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا

جو اللہ اور اس کے رسُول کی اِطاعت کرے گا ۔ اسے عظیم الشان کامیابی ہوگی ۔

زیرِ بحث آیت میں بڑے لطیف پیرایہ میں واضح کیا گیا ہے ۔ کہ اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت نہایت ضروری ہے ۔ لازمی ہے کہ اُن کی اِطاعت کی جائے ۔ اس کی حیثیت ایک امانت کی ہے ۔ جیسے امانت واجب الادا ہوتی ہے ۔ یہی شان اطاعت کی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سی مخلوق ہے ۔ کہ جس میں اِطاعت کی پُوری صلاحیت ہے۔ اِنسان کے سوا کوئی مخلوق اس کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ اطاعت کے معنی ہیں ۔ خوشی سے دِلی اِرادے سے کسی جبر کے بغیر کسی کا حکم ماننا۔

تیسرے پارے آل عمران میں ہے۔

لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا

آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی ہے۔ سب قدرت کے سامنے سرنگوں ہیں۔ فرق یہ ہے۔ کہ بعض اپنے ارادے سے اپنی خوشی سے اور بعض اپنی ساخت سے ہی مجبور ہیں۔ کہ اللہ کا حکم مانیں۔

سورج روشنی دینے اور گرمی پھیلانے میں مجبور ہے۔ وہ روشنی کو روک نہیں سکتا۔ چاند کا نور پاش ہونا اس کا اختیاری وصف نہیں بلکہ اضطراری وظیفہ ہے۔ جس کے ہاتھ کو رعشہ ہو۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا ہاتھ ہلنے جلنے سے باز رہے۔ مگر اُس کا ہاتھ اُس کی مرضی کے بغیر چلتی ہوئی گھڑی کی مانند چلتا رہتا ہے۔ کانپتا ہے ہلتا ہے جھلتا ہے۔ یہی حال ستاروں کی روشنی کا ہے۔ فرشتے نافرمانی کر ہی نہیں سکتے جنّ میں البتہ اختیار ہے۔ جانور بھی مجبور محض ہیں۔ جمادات نباتات فرشتے، حیوان، زمین، آسمان، پہاڑ وہی کچھ کر سکتے ہیں۔ جس کی اُن میں صلاحیّت ہے۔ مگر انسان با اختیار مخلوق ہے۔ اسے معقول حد تک آزادی حاصل ہے۔ آزادی بڑی ذمہ داریاں پیدا کر دیتی ہے۔ دوزخ جنّت سب آزادی اور اختیار کے باعث ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے۔ کہ امانت (ذمہ دارانہ مختارانہ آزادانہ اطاعت) ایک بارِ گراں ہے۔ اس بوجھ کو وہی اٹھا سکتا ہے۔ کہ جو چاہے۔ تو اپنے آپ پر ظلم اور جبر بھی کر سکتا ہے۔ انسان چینی کی چٹکی لے کر اپنے مُنہ میں رکھ سکتا ہے۔ زبان بتا دیگی

کہ چلبلی میٹھی ہے۔ دل چاہے تو زبان سے یہ کہلوا سکتا ہے۔ کہ جو چیز زبان نے چکھی ہے وہ کڑوی ہے کسیلی ہے۔ خربوزے کی پھانک اگر پھیکی ہے۔ تو زبان ہی محسوس کرے گی کہ وہ پھیکی ہے۔ لیکن انسان اپنے دوست سے مذاق کرنے یا دوسرے کو دھوکا دینے یا کسی سے راز کو چھپانے یا خربوزے سے محروم کرنے کے لئے کہہ سکتا ہے۔ کہ خربوزہ بہت ہی شیریں ہے۔ اس کی مٹھاس شہد سے زیادہ ہے۔ زبان بھی مجبور ہے اور مختار بھی۔ حیوانات پر کوئی شرعی پابندی نہیں۔ یہ ضابطے سب حضرت انسان کے لئے ہیں۔ اور مناسب ضابطے ہی آزادی کے مرادف ہیں۔ مطلقاً ازادی انسان کے لئے نہیں۔ اقبال رح نے خوب کہا ہے۔

ہے کوئی چیز کہ کہتے ہیں جس کو آزادی
سُنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں میں نے

سچی آزادی بقول اقبالؒ یہ ہے ؎

دہر میں عیشِ دوام آئین کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

تفسیرِ امانت

حضرت شاہ عبدالقادر رح کے موضح القرآن میں ہے "امانت سے بعضوں نے اشارہ نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کا لیا ہے۔ اور بعضے کچھ اور سمجھے ہیں"

تفسیر ابن کثیر میں ہے ۔ کہ مجاہدؒ ۔ شہیدؒ اور ضحاکؒ اور حسن بصریؒ کا قول یہ ہے ۔ اِنَّ الْاَمَانَۃَ ھِیَ الْفَرَائِضُ ۔ امانت سے مقصود فرائض خداوندی ہیں ۔

حضرت قتادہؓ کی تصریح یہ ہے ۔ "الامانۃ الدین والفرائض والحدود" امانت سے مراد دین ہے فرائض ہیں ۔ حدیں ہیں ۔

یہ سب حضرات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں ۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ آنحضرتؐ کے رشتہ دار ہیں ۔ چچا کے بیٹے ہیں ۔ اور صحابیؓ ہیں ۔ ان کے حق میں آنحضرتؐ نے دعا کی کہ اللہ تعالےٰ اسے قرآن کا عالم اور دین کا عالم بنا دے ۔

ظاہر ہے کہ دین انسان کے لئے ہے ۔ فرائض انسان کے لئے ہیں ۔ حدود انسان کے لئے ہیں ۔

علّامہ یوسف علی مرحوم نے امانت کا ترجمہ TRUST کیا ہے ۔ جس کا مفہوم ہے ایسا کام جو اعتماد اور وثوق کی بنا پر کسی کے سپرد کیا جائے ۔

علّامہ عبدالحق صاحب تفسیر حقّانی کا بیان حقیقت ترجمان یہ ہے ۔ کہ امانت سے مُراد ہے دردِ دل ۔ سچ ہے ۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

حضرت ملّا علی قاریؒ نے مسند امام اعظمؒ کی شرح میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک حدیث مرفوع سپردِ قلم فرمائی ہے ۔ جس میں ہے "الامارۃ امانۃ" حکومت سلطنت و امارت بھی امانت ہے ۔

سورۂ نساء کے آٹھویں رکوع میں ہے ۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ ۔۔۔ اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے

اَدُّوا الاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا کہ امانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کیا کرو۔

حضور نبیٔ کریمؐ سے حضرت ابُوذر غفاریؓ نے عہدہ طلب کیا۔ نبیٔ کریمؐ نے فرمایا۔ یہ عہدہ اِس لئے تیرے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ اَنْتَ ضَعِیفٌ وَھٰذا امانۃ۔ تو دل کا کمزور ہے۔ اور یہ امانت ہے۔

قرآن اور حدیث میں امانت مرادف حقوق ہے۔ حقوق تین قسم کے ہیں۔
(۱) حق النفس (اپنی جان کا حق)
(۲) حق اللہ (اللہ کا حق)
(۳) حق العباد (اللہ کے بندوں کا حق)

واضح ہُوا۔ کہ حقوق و فرائض کا علم۔ ان کی ادائیگی کے لئے۔ قدرت اور ارادے کی نعمت اِنسان کو ہی ملی ہے۔ اِنسان میں انتہا درجے کی عقل ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس میں اِنتہا درجے کا جنون بھی ہے۔ عقل و جنون عشق کے تقاضے سے مجبور ہو کر اِنسان نے جب یہ دیکھا۔ کہ قدرت کی نازبرداری سے آسمان۔ زمین اور پہاڑوں نے اِنکار کر دیا ہے۔ اِنسان نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ اور کہہ دیا ع

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شاعر نے خوب کہا ہے۔

ڈر گئے ارض و سما بارِ امانت سے مگر
مجھ سے دیکھا نہ گیا حُکم کا رُسوا ہونا

بلاشُبہ عقل کے نزدیک انسان نے جو کچھ کیا۔ وہ ظلم و جہل کا کرشمہ تھا۔ اسے کیا خبر۔ کہ عشق کبھی وہ کام بھی کر گذرتا ہے۔ جو بہ نزدیک عقل

"ناکردنی" سے نظر آتے ہیں۔ سچ ہے ؎

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق گر مصلحت اندیش ہے، ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

امام قشیریؒ فرماتے ہیں۔ ان اجرام (آسمان۔ زمین۔ پہاڑ) کے سامنے امانت پیش کی گئی۔ وہ نہ اٹھا سکے اُسے انسان نے اُٹھا لیا۔

شیخ جنید بغدادیؒ گویا ہوئے۔ آدم کی نظر اس پر نہیں تھی۔ کہ کیا پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی نظر پیش کرنے والے پر تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آسمان زمین شجر حجر فرشتگان وحیوان انسان کے خادمان ہیں۔ انسان کی نسبت فرمایا حملنٰھم فی البرّ والبحر" انسان کی اس جرأت رندانہ کے باعث اسے الہام۔ القا اور برگزیدہ ترین انسانوں کو وحی سے نوازا گیا اور بہترین وحی قرآن شریف کی حفاظت و اشاعت کا فریضہ سب سے بڑے انسان، خدا کے آخری نبیؐ کو سونپا گیا۔ ایسے حضرات بھی ہیں۔ جن کی نظر اس حقیقت تک پہنچ گئی کہ ظلم عدل اور جہل علم کی ضد ہے۔ مگر اذا جاوز عن حدّہ انعکس ضدّہ۔ جب کوئی شے حد سے آگے نکل جاتی ہے۔ تو وہ اپنی ضد سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ ظلم حد سے بڑھ گیا۔ تو عدل ہو گیا جہل حد سے بڑھ گیا۔ تو علم ہو گیا۔ نماز صورتاً نفس پر ظلم ہے۔ روزہ معدہ پر صورتاً ظلم ہے۔ زکوٰۃ جذبۂ طمع پر ظلم ہے۔ حج ہر ایک قسم کی آسائش پر ظلم ہے۔ مگر یہ ظلم رشکِ عدل ہے۔ اس کا مآل عدل ہے۔ اس کی حقیقت عدل ہے۔ اس کا ثمر عدل ہے۔ غیر اللہ کو دل و دماغ سے

نکال دینا صورتاً جہل مگر بروئے حقیقت توحید ہے۔ لَا اِلٰہَ کی انتہا اِلاّ اللہ ہے۔

آدمؑ کے دل و دماغ میں خلافت کی صلاحیت پیدا کی گئی۔ خدا کی نیابت بے پناہ کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا نفس پر ظلم ہے۔ مگر جذبۂ ایمان پر انتہا درجے کا کرم ہے۔ کسی کے غم میں کڑھنا درد میں مبتلا ہونا۔ دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ تصوّر کرنا خود فراموشی ہے۔ اور یہی خودشناسی ہے۔ جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تو انسان سراپا درد بن جاتا ہے۔ جو مزا اس درد میں ہے۔ کسی اور شئے میں نہیں۔

عاشقاں را درد و بدنامی خوش است
عاشقاں را سوز و ناکامی خوش است

مسلمان اور انسان

مسلمان اونچے درجے کا انسان ہے۔ وہ بہترین اُمّت کی تسبیح کا دانہ ہے۔ قرآن میں ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔	تم بہترین جماعت ہو۔ تم لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیدا

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمنکرِ وَ تومِنُوْنَ بِاللہ

کئے گئے ہو۔ تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو۔ اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ہمارے بزرگ ایسے ہی تھے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ اُن کے نقش قدم پر چل کر

(۱) اپنے وقت کی بہترین جماعت بن جائیں۔
(۲) ہر نیکی کا علم حاصل کریں۔ بدی کے اثرات سے آگاہ ہوجائیں
(۳) انسانوں کو نیکی کی طرف راغب کریں۔ اور بدی سے روکیں۔
(۴) اپنے ایمان کو مضبوط کریں۔

اس کے لئے لازمی ہے۔ کہ ہمارا کردار نیکی اور ایمان کا روشن مینار بن جائے۔ ہم جماعت بنا کر جماعتی رنگ میں اس پروگرام کو اپنائیں۔ پھیلائیں اور چمکائیں۔

مُسلمان کا نصبُ العَین

مسلمان نبیؐ آخر الزماںؐ کا فرمانبردار ہے۔ قرآن کا بیان ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو اس اعلان کا حکم دیا۔

کہہ دے۔ میری نماز۔ میری قربانی۔ میری زندگی۔ میری موت۔ اللہ کے لئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ میں سب سے زیادہ فرمانبردار ہوں"

مسلمان کا کام یہ ہے۔ کہ وہ فرمانبردار بن جائے۔

ارشادِ باری ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ — مسلمان کے دِل میں خُدا کی انتہائی محبّت ہوتی ہے۔

اِسلام کی رو سے خُدا کی محبّت کی عملی صورت یہ ہے۔ کہ مخلوقِ خُدا سے محبّت کی جائے۔ اَلخلق عیالُ اللہ

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ھُدیٰ کا
کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خُدا کا

آنحضرتؐ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ مسلمان کے لئے واجب ہے۔ کہ نبیؐ کی سنّت پر عمل پیرا ہو کر ساری کائنات کے لئے رحمت بن جائے

مُسلمان کا اِیمان

قرآن میں ہے۔

(۱) جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے سب اِنسانوں کے لئے ہے۔

(۲) رات اور دن۔ نہریں۔ سُورج۔ چاند۔ ستارے۔ مویشی سب اِنسانوں کے تابع ہیں۔

(۳) سمندر انسانوں کے لئے ہیں" مقامِ غور ہے۔ کہ ہَوا۔ چاند۔ سُورج بجلی۔ ایتھر۔ زمین۔ پھل۔ پھُول وغیرہ سے زیادہ فوائد کون حاصل کرتا ظاہر ہے۔ کہ زیادہ فوائد وہ قومیں حاصل کر رہی ہیں۔ کہ جو علوم وفنون کے ذریعے اِن قدرتی اشیاء کو اپنے استعمال میں لا رہی ہیں۔ فرق یہ ہے

کہ نہروں - آبشاروں - درختوں - پہاڑوں - ہواؤں - ستاروں کو دیکھ کر مسلمان یہ کہتا ہے - کہ یہ سب چیزیں خدا کی مخلوق ہیں - ہمارے فائدے کے لئے ہیں - ضرورت ہے - کہ ہم ایمان کے ساتھ علوم بھی سیکھیں - تاکہ ہمارا ایمان پختہ ہو جائے - ارشاد نبویؐ ہے -

تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ — ایک گھڑی کا غور ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے -

مُفید علُوم

قرآن نے مسلمان کو متوجہ کیا ہے - کہ وہ انسانوں کو فوائد پہنچانے کے لئے اِن علُوم کی طرف بھی توجہ کرے -

قرآن کا بیان ہے -

(۱) تمہارا معبُود اللہ ہے - وہ اپنے آپ سے ہے - وہ اپنی ذات میں صفات میں اپنے افعال میں بے مثل ہے - اس نے آسمانوں کو بنایا ہے - ان میں ستارے ہیں - سیارے ہیں - چاند ہیں - آفتاب ہیں - یہ سب انسانوں کے کام پر لگا دئے گئے ہیں - زمینوں کا خالق بھی وہی ہے - زمین میں نہریں ہیں - دریا ہیں - سمندر ہیں - یہ سب انسانوں کے کام پر لگا دئے گئے ہیں - مختلف قسم کے درخت ہیں - غلّے ہیں - پھل ہیں - پھول ہیں - یہ سب اِنسانوں کے لئے ہیں - کبھی دن ہے کبھی رات ہے - اس کا اختلاف قدرت کے ہاتھ میں ہے - آسمان سے پانی برسایا جاتا ہے اِس سے مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے - مویشی بھی اِنسانوں کے لئے ہیں

اُن کا دُودھ - اُن کی اُون - اُن کی کھال - اُن کا گوشت - ہڈیاں اور چمڑا سب انسانوں کے لئے ہے - سب پر قُدرت اسے حاصل ہے - جو قدیر ہے - وہ موت کا خالق ہے - حیات کا خالق ہے - قرآن نے واضح نے کیا ہے - کہ عقل و فکر سے کام لینے والے ان سے بہت فوائد حاصل کرتے ہیں -

سوچنے کی بات ہے - کہ ہوا سے ہم کیا فوائد حاصل کر رہے ہیں؟ کیا فلکیات - ایتھر - بجلی - ہوا وغیرہ سے جن علوم کا تعلق ہے - ان سے کسی حد تک ہم بہرہ ور ہیں -

بتا دے زُلف کے آشفتہ میری جان کتنے ہیں

بیابانوں میں کتنے ہیں بلا گردان کتنے ہیں

سمندروں میں ہمارے جہاز کتنے ہیں - جہاز سازی کے کتنے کارخانے مسلمانوں کے ہیں - افریقہ کے مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک کے نقشہ پر نگاہ ڈالو - آبی گذرگاہوں پر تصرف ہمارا ہے - مگر ان کی حفاظت کے لئے ہم کہاں تک محتاجِ غیر ہیں -

ترکی پر سلیمان اعظم کی حکومت تھی - ہندوستان پر اکبر کی سلطنت تھی دونوں جلیل القدر بادشاہ تھے - مگر اس زمانے میں ساحل ہند اور بحر ہند میں فرانس - پرتگال اور برطانیہ کا قبضہ تھا - اکبر نے بحری بیڑا نہ بنایا - سلیمان اعظم نے ادھر توجہ نہ کی - نتیجہ یہ ہوا - کہ ہند پر جہازوں والا برطانیہ متصرف ہو گیا - صحابہؓ کے عہد میں رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس بحری جہاز نہیں - اُنہوں نے اِس سے فائدہ اُٹھانا چاہا - حضرت عثمانؓ نے بحری بیڑہ طیار کیا رومیوں کے عزائم کو پامال کیا - اور افریقہ پر اسلام کا عَلَم گاڑا -

مراکش سے نکل کر تو مسلم بر بر ہسپانیہ پہنچے۔ اور اُنہوں نے یورپ کو اسلامی تہذیب سے آگاہ کیا۔ اگر مغل اور ترک سنّتِ عثمانؓ پر عمل کرتے۔ تو یورپ کے نصرانی اُن پر غالب نہ آسکتے۔ حضرت عثمانؓ نے اشاعتِ قرآن کے ساتھ جہاز سازی کی بنا بھی ڈالی۔ کیا ہمارا فرض نہیں۔ کہ ہم ان حقائق پر توجہ کرنے کو اپنا دینی فریضہ یقین کریں۔ زمین سے جو تیل کے چشمے بر آمد ہو رہے ہیں۔ ان کا کتنا علم ہم کو ہے۔ کیا ہمارا فرض نہیں۔ کہ اپنے خزائن و دفائن سے مستفید ہونے کا علم سیکھیں۔ ہم اپنی حفاظت کے لئے کب تک اغیار کے دست نگر رہیں گے۔

زمین کا علم

قرآن نے کہا

هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

وُہی قادرِ مطلق ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل کائنات پیدا کی۔

زمین میں معدنیات ہیں۔ نباتات ہیں۔ حیوانات ہیں۔ بنی نوعِ انسان ہیں۔ اگر مسلمان معاشیات سے آگاہ ہوں اگر اُن پر ظاہر ہو جائے۔ کہ پتھروں کی سِلوں میں۔ زمین کی رگوں میں۔ نہروں۔ دریاؤں۔ سمندروں کی گہرائیوں میں ہوا کی موجوں میں۔ کیا کیا نعمتیں ہیں۔ تو اُن کے نظارے اور ان سے فائدہ گیر ہوتے اُن کے ایمان میں پختگی ہو جائے گی۔ جن سمندروں پر ہمارا قبضہ ہے ان ان میں جو کچھ ہے۔ ان کا علم ہم کو بہت کم ہے۔ اور علم کے دریاؤں

میں شناوری کرنے والی قوموں کو بہت زیادہ ہے - موتی ہمارے ہیں - مگر وہ انہیں کی جبینِ تہذیب کا جھومر ہیں - عِلم طبقات الارض - علم معدنیات - فن کان کنی - اور پیٹرول نکالنے کا ہُنر ہمیں آتا ہے - یا اغیار کو - لازمی ہے کہ ہم ان حقائق پر غور کریں - تاکہ دینوی فوائد کے ساتھ ہمارے ایمان و اعتقاد میں اضافہ ہو - آج دُنیا بھر کی اقوام روس اور امریکہ سے کیوں خائف ہیں ؟ محض اِس لئے کہ ان کے پاس ذرّاتی بم ہیں - جنّاتی بم ہیں - آج کون مُنے گا - کہ مادہ کا ایک جزو ایسا بھی ہے - جس کے مزید ٹکڑے نہیں ہو سکتے - ذرّاتی بم نے جوہرِ لا یتجزیٰ کی دھجیاں فضلئے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دیں - اِسلام کہتا ہے - کہ اپنی حفاظت کے لئے جہاں تک ممکن ہو جنگی سامان طیار کرو - کیا یہ آیت ہمارے لئے فرض نہیں قرار دیتی - کہ اس عہد میں ایٹم اور ہائیڈروجن بم سے زیادہ موثر بم بنانے کی فکر کریں - کیا یہ اقدام انتہائی علم سائنس کے بغیر ممکن ہے ؟

اِجتماعی زندگی

اِنسان اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے - کوئی اِنسان زندگی کی تمام ضروریات تنہا خود مہیّا نہیں کر سکتا - حیاتِ انسانی حیاتِ مُدنی ہے - مدنی سے مراد وہ شخص ہے کہ جو زندگی تنہا بسر نہ کرے - لفظِ مدنی کا اطلاق صرف شہری پر ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد شہری اور دیہاتی دونوں ہیں - دونوں مجبور ہیں - کہ ایک دوسرے کے ساتھ مِل جُل کر رہیں - اور زندگی کے کاروبار میں تعاونِ باہمی سے کام لیں - اِس ضمن میں اِسلام کے چند اصولی احکام حسب ذیل ہیں -

شرفِ انسانی

۱- قرآن وحدیث کے رُو سے تمام اِنسان اولادِ آدم ہیں - تمام خاکی ہیں - تمام فطرتاً قوانین پسند ہیں - ان پر ماحول اثر انداز ہوتا ہے - اُن پر صحبت کا اثر ہوتا ہے - تعلیم و تربیّت کا اثر ہوتا ہے - ان کی ذاتیں ہیں - ان کی برادریاں ہیں ان کے کام کاج ہیں - پیدائش کے لحاظ سے سب برابر ہیں - کسی ملک والے کو دُوسرے ملک والے پر کوئی شرف نہیں - رنگ، ذات میں کوئی فضیلت نہیں - فضیلت صرف اعمال سے ہے - قرآن نے کہا - اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ - اللہ کے نزدیک معیارِ عزّت صرف کردارِ نیک ہے -

حدیثِ نبویؐ - کسی کالے رنگ والے کو سپید رنگ والے پر - کسی سفید رنگ والے کو کالے رنگ والے پر کسی عربی کو غیر عربی پر کسی غیر عربی کو عربی پر قطعًا کوئی فضیلت نہیں - شرف صرف دین سے ہے - کردار کی بلندی سے ہے - اللہ کے ہاں قدر نہ صورت کی ہے - نہ نسل کی ہے اس کے ہاں قدر صرف حسنِ نیّت اور پاکیزہ سیرت کی ہے

۲- ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابُوہریرہؓ کی روایت ہے - نسل پر فخر کرنا شعارِ جاہلیت ہے - " اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ آدمی سب کے سب اولادِ آدم ہیں - اور آدم مٹی سے ہے - دنیا میں آدمی دو قسم کے ہیں - اِنَّمَا ھُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ (۱) نکو کردار مومن یا (۲) بدبخت بدکردار

۳- مسلم میں بخاری میں عمر بن عاصؓ کی روایت کی رعایت ہے - اُنہوں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے ہُوئے سُنا - اِنَّ آلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسَ لِیْ بِاَوْلِیَاءَ

میری دوست کسی شخص کی اولاد نہیں - اِنَّمَا وَلِیَّ اللّٰہُ وَصَالِحِ المومنین
حقیقت یہ ہے - کہ میرا دوست میرا پروردگار اور مومن نکوکار ہے -

پسرِ نوحؑ

۴ - قرآن نے صاف کہہ دیا - کہ نوحؑ کا صورتی بیٹا اس کا سیرتی بیٹا نہیں ہے - لہذا وہ اس کا نہیں - اس لئے کہ اس (بیٹے) کے عمل اچھے نہیں -

ہر کہ نا اہل است او مدوح نیست
پسرِ نوحؑ از اہل بیت نوحؑ نیست

نفع رساں انسان

۵ - حدیث نبوی ہے - خَیْرُ النَّاسِ من یَنْفَعُ النَّاس - بہترین انسان وہ ہے کہ جو انسانوں کے لئے مفید ترین ہے -

رحم

۶ - مسلم شریف - بخاری شریف میں جریر بن عبداللہؓ کی روایت ہے -
لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاس - اللہ تعالٰے اُس پر خاص رحمت نہیں کرتا - جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا -

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

ہمسایہ

۷ - ابوہریرہؓ کی روایت ہے مسلم میں - بخاری میں - آپ نے تین مرتبہ

وہ شخص مومن نہیں - عرض کی گئی کون، فرمایا من لا یا منُ جارُہٗ بوائقہ
وہ شخص مومن نہیں جس کی بدیوں سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔
(۴) ایسے ہی فرمایا ہے۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ یشبع و جارہ جائع"
جس کا اپنا پیٹ بھرا ہوُا ہو اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ کے
پوُچھنے پر واضح کیا۔ اپنے مکان کے اِس طرف کے ۲۰ گھر اور اُس کے طرف
کے ۲۰ گھروں کا حال معلوم کرو۔ جو ان میں سے بھوکا ہو۔ اس کے لئے حسبِ مقدور
خوراک کا اِہتمام کرو۔

خیر خواہی

(۹) مسلم شریف میں تمیم داری کی روایت ہے۔ دین خیر خواہی ہے -
الدّینُ النصیحتہ

خدا کا کنُبہ

روایت ہے عبداللہ سے بیہقی میں - فرمایا آنحضرتؐ نے - اَلخَلقُ عِیَالُ
اللہ فَاَحبُّ الخَلقِ الی اللہ من احسن ای عیالہ مخلوق اللہ تعالےٰ
کا کنُبہ ہے - بہترین اِنسان وہ ہے جس کا سلُوک خدا کی مخلُوق سے بہترین
ہے -

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا
کہ مخلُوق ساری ہے کنبہ خُدا کا

سارے جہان کا درد

(۱۱) قرآن میں آنحضرتؐ کی نسبت بیان کیا گیا ہے - عَزِیزٌ عَلَیْہِ

مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْہِ ۔ (سورۂ عرفات) آپ چاہتے ہیں۔ کہ انسان ہر دکھ سے محفوظ رہے ۔ اور اُسے ہر سکھ حاصل ہو۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

سارے جہان کے لئے رحمت

(۱۲) سورۂ حج ۱۷ ویں پارے میں ہے مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ آپ ہیں ساری کائنات کے لئے رحمت کا پیکر۔ بہترین مسلمان وہ ہے کہ جو کائنات کے لئے رحمت بن جائے ۔ اس کا نام ہے۔ سُنّت نبویؐ

مصالحت

(۱۳) حضرت ابی الدرداؓ کی روایت ہے ترمذی میں۔ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَۃِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَۃِ وَالصَّلٰوۃِ ۔ کیا میں تمہیں اس سے آگاہ نہ کروں ۔ کہ ایک نیکی ایسی ہے ۔ کہ اس کا درجہ روزے سے، صدقے سے نماز سے بڑھ کر ہے ۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا وہ ہے اِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَیْنِ ۔ دو شخصوں میں مصالحت کرانا۔

حسد

(۱۴) ترمذی میں ہے ۔ (راوی زبیرؓ) حسد و بغض وہ بیماری ہے ۔ جس نے تم سے پہلی اُمتوں کو برباد کیا ہے ۔ یہ بیماری مُونڈ ڈالتی ہے ۔ یہ بیماری

بالوں کو نہیں مونڈتی - ولکن تحلق الدین - بلکہ دین کو برباد کر دیتی ہے -
ابوداؤد کی روایت ہے - فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا
تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ - کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے - جیسے
آگ خشک لکڑیوں کو بھسم کر دیتی ہے -

سرمایہ عقل

(۱۵) بیہقی میں روایت ہے ابن عمرؓ سے - فرمایا آنحضرتؐ نے الاقتصادُ
فِی النفقۃِ نصفُ المعیشۃِ والتودّدُ الی الناس نصفُ العقل
خرچ کرنے میں میانہ روی آدھی معیشت ہے - آدمیوں سے دوستی نصف عقل
ہے -

حُسنِ خلق

(۱۶) عرض کی گئی - آدمی کو کونسی شئے بہتر دی گئی ہے - قَالَ الْخُلُقُ
الْحَسَنُ - فرمایا خُلقِ نیک - (بیہقی)
(۱۷) عرض کی گئی - مومن کے میزانِ عمل میں کونسی شئے سب سے زیادہ وزنی
ہوگی - فرمایا - خُلُقٌ حَسَنٌ - خلق نیک (ترمذی)
(۱۸) فرمایا - خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ - معاملہ کر انسانوں سے
خلقِ نیک کے ساتھ (راوی ابی ذرؓ) ترمذی

اَفضل مُسلم

(۱۹) فرمایا - اَلْمُسْلِمُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی
اَذَاھُمْ - اَفْضَلُ مِنَ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُھُمْ وَلَا یَصْبِرُ

عَلٰی اذاھم"۔ وہ مسلم جو لوگوں سے ملتا ہے۔ اور جو دُکھ اُنہیں لوگ دیتے ہیں۔ اُن پر صبر کرتا ہے۔ وہ افضل ہے اس سے جو لوگوں سے ملتا ہے نہ اُن کے دُکھ پر صبر کرتا ہے (رواہ ابن عمرؓ بروایت ابن ماجہ میں

نیک ترین انسان

(۲۰) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ۔ وَاَشْجَعَ النَّاسِ۔ نبی کریمؐ سب انسانوں سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والے۔ سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر اور جری تھے۔ (مسلم۔ بُخاری) ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر انسانوں کے لئے اچھا سخی اور ہمدرد بن جائے۔

قرآن نے پیشگوئی کی

(۲۰) اے مسلمانو! تم اہلِ کتاب (یہودی عیسائی) سے مشرک سے بہت سی ایذا کی باتیں سنوگے۔ اگر صبر کروگے اور نکوکرداری کا دامن نہیں چھوڑوگے تو یہ کام اعلےٰ ہمت کے ہیں" (سورۂ لقمان۔ پارہ ۲۱)

پہلوان

(۲۱) فرمایا "لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ مَنْ یَّمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ" پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑے۔ پہلوان وہ ہے کہ جو غصے کے وقت نفس کو قابو میں رکھے۔ (راوی ابی ہریرہؓ) (بخاری و مسلم)